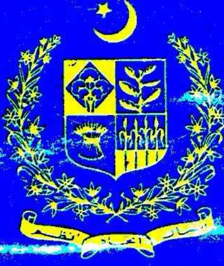
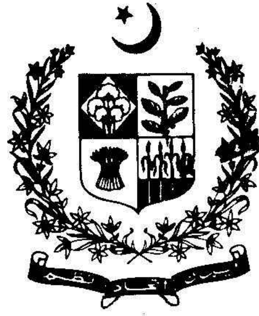


نظام حکومت کے بارے میں

انصاری کمیشن کی رپورٹ

۲۴ شوال المکرم سنہ ۱۴۰۳ھ
۴ اگست سنہ ۱۹۸۳ء





نظام حکومت کے بارے میں

انصاری کمیشن کی رپورٹ

۲۴ شوال المکرم سنہ ۱۴۰۳ھ

۴ اگست سنہ ۱۹۸۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ الذی ھدٰنا لھذا و ما کنا لنھتدی لولا آن ھدانا اللہ ۰ والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین و خاتم النبیین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

1 ۔ صدر پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق نے 10 جولائی 1983ء مطابق 28 رمضان المبارک 1403ھ کو ایک کمیشن کی تشکیل کا اعلان فرمایا ۔ اس کمیشن کو یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ نظام حکومت کے بارے میں درج ذیل کمیٹیوں اور اداروں کی طرف سے موصول ہونے والی تجاویز کا بغور جائزہ لے اور ملکی حالات اور ملی مفادات کو ملحوظ رکھتے ہوئے قابل عمل تجاویز مرتب کرے اور اپنی سفارشات صدر محترم کو پیش کر دے تا کہ وہ حسب وعدہ 14 اگست 1983ء تک قوم کے سامنے ملک کے آئندہ سیاسی نظام کا خاکہ پیش کر سکیں ۔ اس کے ساتھ انہوں نے اپنی اس خواہش کا بھی اظہار فرمایا کہ 31 جولائی تک کمیشن کی سفارشات ان کی خدمت میں پیش کر دی جائیں ۔ جن کمیٹیوں/اداروں کی تجاویز کمیشن کو ارسال کی گئیں وہ یہ ہیں :

1 ۔ کابینہ کی ذیلی کمیٹی

2 ۔ مجلس شوریٰ کی خصوصی کمیٹی

3 ۔ اسلامی نظریاتی کونسل

2 ۔ کمیشن کی ہیئت ترکیبی یہ قرار دی گئی :

صدر : محمد ظفر احمد انصاری

ارکان : 1 ۔ جناب جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری صاحب

2 ۔ جناب جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب

3 ۔ جناب جسٹس (ریٹائرڈ) محمد افضل چیمہ صاحب

4 ۔ جناب حاجی شیخ غیاث محمد صاحب

5 ۔ جناب مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب

6 ۔ جناب مولانا معین الدین لکھوی صاحب

7 ۔ جناب علامہ سید محمد رضی مجتہد صاحب

8 ۔ محترمہ بیگم سلمیٰ تصدق حسین صاحبہ

9 ۔ جناب اخوندزادہ بہرہ ور سعید صاحب

10 ۔ جناب مفتی محمد حسین نعیمی صاحب

11 ۔ جناب ملک محمد رمضان صاحب

12 ۔ جناب ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ صاحب

13 ۔ جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب

14 ۔ جناب ڈاکٹر منیر الدین چغتائی صاحب

15 ۔ جناب جسٹس (ریٹائرڈ) محمد گل صاحب

16 ۔ جناب حمزہ صاحب

شریک ارکان : 17 ۔ جناب مہدی علی صدیقی صاحب

18 ۔ پروفیسر محمود احمد غازی صاحب

19 ۔ شیخ محمد اسداللہ صاحب (شریک رکن و سیکریٹری)

ان حضرات کے علاوہ جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ' جناب محمد اس
صاحب اور جناب سید حسین امام صاحب کو کمیشن کا اعزازی مشیر مقرر کیا گیا ۔

3425 ج

3 ۔ کمیشن کے اعزازی مشیران میں محترم جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اور محترم جناب سید حسین امام صاحب اپنی علالت کے باعث اسلام آباد تشریف نہ لا سکے اور کمیشن ان کے گراں قدر خیالات سے استفادہ نہ کر سکا ۔ تاہم محترم جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی تصانیف و مقالات سے اراکین کمیشن برابر استفادہ کرتے رہے ۔ البتہ جناب محمد اسد صاحب تشریف لائے اور ارکان کمیشن کو دو نشستوں میں ان سے تبادلہ خیال کرنے اور مستفید ہونے کا موقع ملا ۔

4 ۔ کمیشن کی تشکیل کا اعلان اگرچہ 10 جولائی 1983ء مطابق 28 رمضان المبارک 1403ھ کو کر دیا گیا تھا ۔ لیکن 15 جولائی تک عید کی تعطیلات کے باعث 17 جولائی سے قبل اجلاس منعقد نہیں کیا جا سکا ۔ 17 جولائی 1983ء سے 4 اگست تک کمیشن کے کل 25 اجلاس منعقد ہوئے ۔ ابتداء میں کمیشن کے ارکان کو مذکورہ بالا تینوں کمیٹیوں / اداروں کی رپورٹوں کی نقول فراہم کر دی گئی تھیں ۔ اسی روز تینوں رپورٹوں کا ایک تقابلی جائزہ بھی مرتب کر کے ارکان کو پیش کر دیا گیا تھا ۔ 18 جولائی سے کمیشن نے ملک کے سیاسی ڈھانچے سے متعلق ان تمام موضوعات کا جن کے بارے میں مذکورہ رپورٹوں میں اظہار خیال کیا جا چکا ہے جائزہ لینا شروع کیا ۔ اس بحث مباحثے کے دوران کمیشن نے قرار داد مقاصد منظور شدہ 1949ء ، 1951ء میں ملک کے ممتاز علماء کے مرتب کردہ اسلامی مملکت کے 22 اصول علماء کے دوسرے اجتماع منعقدہ جنوری 1953ء کی سفارشات ، پاکستان کے متعدد دستوری مسودات اور دساتیر، بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ کی سفارشات اور ملک کی چھتیس سالہ سیاسی اور دستوری تاریخ اور اس کے اہم مسائل و مشکلات کو حتی الوسع پیش نظر رکھا ۔

5 ۔ کمیشن نے اپنی بحث و تمحیص کے دوران مندرجہ ذیل ملحوظات کو بنیادی اہمیت دی :

(الف) ایک ایسے سیاسی خاکے کی بنیادیں فراہم کر دی جائیں جو قرآن و سنت کے احکام ، اسلامی اقدار و روایات ، عصری تقاضوں اور ملکی حالات سے مطابقت رکھتا ہو ۔ اگرچہ کمیشن کی پوری کوشش تھی کہ تفصیلات سے سر دست احتراز کرتے ہوئے اپنی توجہ بنیادی مسائل تک محدود رکھے ، لیکن دستوری مسائل ایک دوسرے سے اس قدر مربوط ہیں کہ

محترم ارکان نے بجا طور پر محسوس کیا کہ بعض اہم امور میں کوئی رائے اس وقت تک قائم کرنا دشوار ہو گا جب تک ان سے نیز دیگر مربوط امور سے متعلق ضروری تفصیلات کے ساتھ گفتگو نہ کی جائے ۔ اس لیے بعض ایسی تفصیلات بھی آ گئی ہیں جن میں جائے بغیر چارہ نہ تھا ۔

(ب) یہ خاکہ اس انداز سے ترتیب دیا جائے کہ ایک اسلامی جمہوری نظام کے قیام کی طرف مؤثر انداز میں پیش قدمی کی جا سکے ۔

کمیشن نے اپنے تمام مباحث کے دوران انہی دو ملحوظات کو پیش نظر رکھا اور کچھ معین نتائج تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکا ۔ یہ رپورٹ انہی نتائج پر مبنی ہے ۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں جس نظام کو اسلام کے احکام اور تقاضوں کے مطابق قرار دیا ہے اسے نہ تو موجودہ اصطلاح کے مطابق صدارتی کہا جا سکتا ہے اور نہ پارلیمانی ۔ کمیشن کے نزدیک اس کو «شورائی امارت» کا نام دیا جانا چاہیے ۔ زیر نظر رپورٹ میں اسی شورائی امارت کے تصور کے بنیادی خد و خال نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

6 ۔ رپورٹ چھ ابواب پر مشتمل ہے ۔ باب اوّل میں ان محرکات و ملحوظات کو پیش کیا گیا ہے جن کو سامنے رکھ کر یہ رپورٹ مرتب کی گئی ہے ۔ باب دوم میں ، جو نظام مملکت سے متعلق ہے ، شورائی امارت کے پہلے اہم ستون یعنی امیر مملکت کی حیثیت ، اس کے اوصاف ، اس کے انتخاب کا طریقہ کار ، اس کے منصب ، اس کے فرائض و اختیارات ، اس کے اختیارات کی تحدیدات اور اس کے استعفاء ، برطرفی وغیرہ کے بارے میں قدرے تفصیلی مباحث پیش کئے گئے ہیں ۔ اس ضمن میں ان اسباب و وجوہ کی نشان دھی بھی کر دی گئی ہے جن کے پیش نظر کمیشن نے رائج الوقت صدارتی اور پارلیمانی دونوں نظاموں میں سے کسی ایک کو بھی قبول نہیں کیا ۔ باب سوم میں شورائی امارت کے دوسرے اہم ستون ، یعنی شوریٰ کے تصور اور موجودہ دور میں اس کی مجوزہ عملی ہیئت سے بحث کی گئی ہے ۔ اس باب میں کمیشن نے موجودہ دور کی اسمبلیوں اور سیاسی پارٹیوں کے نقائص کو واضح کرنے اور ان نقائص کا ازالہ کرنے کے لیے تدابیر اور سفارشات پیش کی ہیں ۔ اس باب کے آخر میں شوریٰ اور دوسرے مناصب کے لیے طریق

انتخاب سے بھی بحث کی گئی ہے - چونکہ کمیشن تفصیلی بحث مباحثے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ملک میں جماعتی بنیادوں پر انتخابات کا رائج الوقت طریقہ نہ صرف اسلامی تعلیمات سے متعارض ہے ' بلکہ ملکی سالمیت اور یک جہتی کے لیے بھی نقصان دہ ہے - اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ غیر جماعتی انتخاب کا کوئی نقشہ قدرے تفصیل سے سامنے رکھ دیا جائے تا کہ ایک متبادل طریقۂ کار سامنے آ جائے - امید ہے کہ اس سے بعض حلقوں کی یہ غلط فہمی دور ہو جائیگی کہ غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کا انعقاد ممکن نہیں - اس نقشے سے انشاء اللہ یہ بات واضح ہو جائیگی کہ غیر جماعتی انتخابات ممکن بھی ہیں اور مطلوبہ اوصاف کے لوگوں کو سامنے لانے میں زیادہ مؤثر اور مفید بھی ہیں - باب چہارم عدلیہ سے متعلق ہے - اس میں تفصیلات سے اجتناب کرتے ہوئے مختصراً وہ بنیادی اصول ذکر کر دیئے گئے ہیں جن پر ایک اسلامی عدالتی نظام کی تشکیل نو کی جا سکتی ہے - باب پنجم مملکت کے رہنما اصولوں اور دستور کے اسلامی احکام سے بحث کرتا ہے - اس میں مملکت کی پالیسی کے رہنما اصولوں کی نشاندھی کے علاوہ موجودہ دستور کے بعض ایسے نقائص کی نشان دھی بھی کی گئی ہے جو کسی طرح بھی ایک اسلامی مملکت کے رہنما اصول نہیں قرار دیے جا سکتے - جن متبادل اصولوں کی سفارش کی گئی ہے وہ ملک کے تمام سابقہ دساتیر کو سامنے رکھ کر مرتب کیے گئے ہیں ' بالخصوص 1954ء کے دستوری مسودے میں جو اصول دیے گئے تھے وہ دوسرے دساتیر کی بہ نسبت زیادہ جامع اور مکمل تھے - باب ششم صوبوں کی تعداد اور صوبائی نظم و نسق کے بارے میں ہے - اگرچہ اسلامی نظریاتی کونسل نے وحدانی نظام کو اسلامی تعلیمات اور روایات کے قریب تر بتایا ہے - لیکن کمیشن کی رائے میں ایک شبہ وفاقی (یونی فیڈرل) نظام کو اختیار کرنے میں بھی شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے - پھر ملک کے حالات بھی اسی امر کے متقاضی ہیں کہ وحدانی نظام پر اصرار نہ کیا جائے - کمیشن نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ پاکستان کے مخصوص حالات کے پیش نظر صوبوں کی موجودہ تعداد میں اس انداز سے اضافہ کر دیا جائے کہ ملک میں اس وقت جو صوبے ہیں ان سب میں پہلے ڈویژنوں کی تعداد مساوی کر دی جائے اور اس کے بعد ' یا براہ راست ھی ' مساوی تعداد میں صوبے بنا دیے جائیں - دنیا کے دوسرے متعدد ممالک مثلاً نائجیریا ' کینیڈا اور لیبیا وغیرہ میں بھی اس کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی اور وہاں بھی صوبوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ناگزیر سمجھا گیا - اس تدبیر سے ان ممالک کے بہت سے مسائل کے حل میں مدد ملی - یہ ایک اہم اقدام

ہو گا ' اس لیے اس کے نفاذ سے پہلے اس کے مالی اور دیگر مضمرات کا جائزہ لینا ضروری ہو گا جس کے لیے چند ماہ کی مدت درکار ہے ۔ اس سلسلے میں حکومت اپنے طور پر بھی یہ جائزہ لے سکتی ہے اور اگر ضرورت محسوس ہو تو کمیشن بھی ان مضمرات کے بارے میں اپنا تفصیلی جائزہ پیش کر سکتا ہے ۔ آخری باب یعنی باب ہفتم میں کمیشن کی سفارشات کا ایک جامع خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے ۔

7۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے ' اس کمیشن نے 17 جولائی 1983ء سے کام کرنا شروع کیا اور اسے 31 جولائی کو اپنی رپورٹ پیش کرنی تھی ۔ اس طرح کمیشن کو اپنے کام کے لیے کل پندرہ روز کی مہلت ملی ۔ اس مختصر وقت میں کمیشن کے لیے یہی ممکن تھا کہ جزئیات اور تفصیلات کے بجائے اپنی توجہ بنیادی اصولوں پر مرکوز رکھے ۔ بہ ایں ہمہ ' جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ' باوجود کوشش بعض ناگزیر تفصیلات بھی آ گئی ہیں ۔ لیکن وقت کی قلت کے پیش نظر رپورٹ کی تسوید و ترتیب میں بعض خامیاں رہ گئی ہیں ۔ مثلاً بعض ضروری تفصیلات مختلف ابواب میں منتشر ہو گئی ہیں ۔ اسی طرح زبان و بیان میں بھی بعض خامیاں نظر آ سکتی ہیں ۔ نیز ابتداءً خیال تھا کہ رپورٹ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں مرتب کی جائے ۔ لیکن قلت وقت کے پیش نظر سر دست صرف اردو میں ھی اسے پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ۔

8 ۔ اس رپورٹ کے سلسلے میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ جو سفارشات اس رپورٹ میں کمیشن نے طے کی ہیں ' وہ باہم اس طرح مربوط ہیں کہ اگر ایک کو دوسری سے علیحدہ کر دیا جائے تو مملکت کا سارا تصور مختل ہو سکتا ہے ۔ کمیشن کی رائے میں یہ مجوزہ ڈھانچہ اسی وقت بحیثیت مجموعی اسلامی کہلا سکتا ہے جب اسے تمام لازمی اجزائے ترکیبی اور تمام متعلقہ شروط و اوصاف کے ساتھ اپنایا جائے ۔ لیکن اگر اس ڈھانچے کے کچھ متفرق اجزاء ان کے صحیح سیاق و سباق کے بغیر اختیار کر لیے جائیں تو ان اجزاء کو اسلامی نظام حکومت قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہو گا ۔ مثلاً «امیر مملکت» کے جو اختیارات بیان کیے گئے ہیں وہ بلاشبہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں ۔ لیکن اسی وقت جب اس کے وہ اوصاف و فرائض بھی ملحوظ ہوں جو ان تجاویز کا حصہ ہیں ۔ غیر جماعتی نظم انتخاب بلاشبہ اسلام کے تقاضوں کے مطابق ہے ۔ لیکن اس کے فوائد اسی صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں جب ملک میں تعمیری

تنقید کی کھلی آزادی ہو ، مجلس شوریٰ کمیشن کی تجاویز کے مطابق بااختیار ہو ، اور امیر مملکت اس کے **فیصلوں** کا پابند ہو ، اور عدالتیں کمیشن کی دوسری تجاویز کے مطابق غیر اسلامی اقدامات کو کالعدم کرنے کے لیے بااختیار ہوں - لہذا مذکورہ بالا امور میں سے کسی تجویز کو اس کے سیاق و سباق سے **الگ** کر کے اختیار کرنا نہ اسلام کے تقاضوں کے مطابق ہو گا اور نہ اسے کمیشن کی رائے قرار دیا جا سکتا ہے -

۱- کمیشن نے سیاسی نظام کے سلسلے میں جو سفارشات کی ہیں وہ اس کے ارکان کے علم و فہم کی حد تک اسلامی تعلیمات کا تقاضا بھی ہیں اور ملک میں قابل عمل بھی - ان میں سے بعض سفارشات کے نفاذ کے کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں ان کے بارے میں ارکان کے اندازے فطری طور پر قدرے متفاوت ہیں - لہذا جن امور کے بارے میں حکومت یہ محسوس کرے کہ ان کے نفاذ میں کوئی دشواری ہوگی ، یا اسے کسی فتنے کا احتمال نظر آئے تو وہ اس کی نشان دہی کر دے - کمیشن اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کے لیے متبادل شکلیں تجویز کرنے کی کوشش کرے گا -

لیکن چند باتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں ملکی حالات پر مکمل غور و فکر اور بحث و تمحیص کے بعد کمیشن کے تمام ارکان متفق ہیں - اول یہ کہ وہ شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ قرارداد مقاصد کو جزو دستور بنایا جائے اور اس میں بیان کردہ اصول کے مطابق اقتدار ان لوگوں کے حوالے کرنے کی فوراً فکر کی جائے جو جمہور کے معتمد علیہ نمائندے قرار پا سکیں اور جو اس اقتدار کو امانت الہٰی سمجھ کر خود کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر اسے استعمال کرنے کا پابند سمجھتے ہوں - لہذا ملک کے لیے نظام حکومت کے خاکے اور اس کے نفاذ کی تاریخ کے اعلان کے ساتھ ھی آئندہ انتخابات کا اعلان بھی کر دیا جائے -

دوسری بات جس کو جملہ ارکان کمیشن نہایت اھم اور قرین مصلحت سمجھتے ہیں یہ ہے کہ سیاسی نظام میں جن ترمیمات و اصلاحات کی سفارش کی جا رہی ہے ان کی بناء پر ملک کے لیے کوئی نیا دستور بنانے کی نہ ضرورت ہے نہ تقاضائے مصلحت ، بلکہ 1973ء کے دستور کو بنیاد مان کر اس میں ترمیمات کے ذریعے اس مقصد کو حاصل کیا جائے - یہی موقف مروجہ ملکی قوانین کی اصلاح و ترمیم کے ضمن میں بھی اختیار کیا

گیا ہے ۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات اور وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں میں بھی فی الجملہ یہی انداز اختیار کیا گیا ہے ۔ یہی طریقۂ کار ملک کے دستور اور قانون اساسی کے سلسلے میں بھی اختیار کیا جانا چاہیے ۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ 1973ء کے دستور میں ترمیم کے خلاف ایک خاص حلقے کے علاوہ کہیں اور سے کوئی آواز نہیں اٹھی ۔ ملک کے تمام قابل ذکر سیاسی حلقے مختلف تراسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں ۔ اختلاف محض تراسیم کی تعداد ، نوعیت اور کمیت کے بارے میں ہے ، مجرد ترسیم کیے جانے کے مسئلے پر عموماً اتفاق رائے ھی پایا جاتا ہے ۔ لہذا مناسب ہو گا کہ کمیشن کی تجاویز کو تراسیم کے انداز میں 1973ء کے دستور میں سمو دیا جائے اور دستور میں ایک ایسی دفعہ کا اضافہ بھی کر دیا جائے جس میں اس کی ضمانت ہو کہ ملک میں نفاذ اسلام کے ضمن میں جو قانونی اور آئینی اقدامات ہوئے ہیں وہ سب کے سب برقرار رہیں گے اور قانونی طور پر جائز متصور ہوں گے اور دستور کا کوئی حکم یا کسی عدالت کا کوئی فیصلہ (ماسوائے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں کے جنکے ذریعہ اس نے دستور کے مطابق اپنے ابتدائی دائرہ اختیار سماعت کے تحت کسی ملکی قانون کو قرآن و سنت کے خلاف قرار دیا ہو) ان اقدامات پر اثر انداز نہیں ہو گا ۔

10 ۔ سیاسی نظام کے اس خاکے میں رنگ بھرنے ، اس کی روشنی میں ترسیمات و تفصیلات مرتب کرنے ، نیز نئے انتخابی قوانین کی تدوین کا کام مکمل کرنے کے لیے کم و بیش تین ماہ کی مدت مقرر کر دی جائے ۔ اور 12 ربیع الاول 1404ھ (دسمبر 1983ء) کے مبارک و مسعود موقع پر دستور کو اپنی آخری ترسیم شدہ شکل میں بحال اور نافذ العمل قرار دے دیا جائے ۔ اس کے ساتھ ھی صوبائی اور مرکزی مجالس شوریٰ کے انتخابات کی تاریخ کا حتمی اعلان بھی کر دیا جائے تا کہ جلد از جلد وہ انتخابی مجالس وجود میں آ جائیں جن کے ذریعے امیر مملکت کا انتخاب عمل میں آ سکے اور یہ سارا انتخابی عمل 1984ء کے اختتام تک مکمل ہو جائے ۔ کمیشن کے بعض ارکان کی رائے تھی کہ صوبائی اور مرکزی مجالس شوریٰ کے انتخابات بیک وقت ہوں ۔ اس میں مصارف و اخراجات کی بچت کے علاوہ بہت سی انتظامی سہولتیں بھی ہیں ۔ ہماری رائے میں مارچ 1984ء (جمادی الاول ۔ جمادی الثانی 1404ھ) کا مہینہ ہر اعتبار سے عام انتخابات کے لیے موزوں ترین ہے ۔ لیکن اگر کسی وجہ سے قومی اور صوبائی سطح کے انتخابات بیک وقت کرانا ممکن نہ ہوں تو پھر مارچ 1984ء میں صوبائی اور اکتوبر 1984ء میں

مرکزی سطح کے انتخابات کرا دیے جائیں تاکہ ایسے حضرات اقتدار سنبھال سکیں جن کے معتمد علیہ ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اور فوج اپنے اہم ترین اور نازک ترین فرض ــ دفاع وطن ــ کی انجام دہی پر یکسوئی کے ساتھ اپنی تمام تر توجہات کو مرکوز کر سکے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ موجودہ دور میں رائے شماری کے ذریعے انتخاب کا نظام اسلام کے احکام و مقتضیات کی تکمیل کے لیے لازمی ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ بجز نہایت غیر معمولی اور استثنائی حالات کے مسلم مملکت کے ارباب شوریٰ ' یا ارباب حل و عقد اور سربراہ مملکت کے لیے ضروری ہے کہ وہ جمہور کے معتمد علیہ ہوں۔ جمہور کو ان کی اصابت رائے ' معاملہ فہمی ' حق پسندی ' کردار کی پختگی ' ملک و ملت اور خلق خدا کی فلاح و بہبود سے وابستگی پر اعتماد ہو اور ان کی بات اپنے اپنے حلقۂ اثر میں سنی اور مانی جاتی ہو۔ قرارداد مقاصد میں یہی مفہوم سمویا گیا ہے۔ اسلامی حکومت کے ابتدائی اور بہترین دور میں معاشرہ سادہ تھا۔ آبادی بھی اتنی زیادہ نہ تھی۔ دارالحکومت میں تقریباً وہ سارے افراد بغیر کسی باضابطہ انتخاب و رائے شماری کے نمایاں تھے اور ایک ہی بستی میں جمع تھے جن کا کسی بات پر متفق ہو جانا پوری امت کے متفق ہو جانے کے ہم معنی تھا اور اسی میں استحکام مملکت اور مقاصد حکومت کی تکمیل کی ضمانت مضمر تھی۔ رفتہ رفتہ قدرتی طور پر یہ صورت بدلتی گئی ' تاآنکہ آج ہم جس دور اور جن حالات میں ہیں اس میں باضابطہ انتخاب کے سوا ایسے افراد کا تعین دشوار ہے جن کو جمہور کے قلب و لسان سے تعبیر کیا جا سکے۔

شوریٰ چونکہ اسلامی حکومت کا نہایت بنیادی رکن ہے ' اس لیے اہل شوریٰ کا تعین کرنے کے لیے انتخاب کا نظام اس شکل میں نافذ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ حدود و قیود پامال نہ ہوں جو اس ضمن میں اسلام نے عاید کی ہیں اور دوسری جانب وہ مقاصد بوجوہ احسن حاصل ہو سکیں جو ایک اسلامی ریاست کا مقصد وجود ہیں۔

11۔ آخر میں میں کمیشن سے وابستہ تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوش گوار فرض سمجھتا ہوں جن کے تعاون سے یہ رپورٹ مرتب ہو سکی۔ کمیشن کے تمام ارکان نے اپنی اہم مصروفیات اور متعدد ارکان نے اپنی علالت کے باوجود کمیشن کے اجلاسوں میں شرکت فرمائی اور اپنی گراں قدر آراء سے اپنے رفقاء کو مستفید فرمایا۔

جناب مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب نے ابتدائی اجلاسوں میں شرکت فرمائی ۔ لیکن چند ھی روز بعد اچانک اتنے علیل ہو گئے کہ ھسپتال میں داخل ہونے اور پھر آپریشن کی نوبت آئی ۔ اگرچہ وہ آخری اجلاسوں میں شرکت نہ فرما سکے ۔ تاھم انہوں نے ھسپتال ھی سے یہ پیغام بھیجا کہ اِن کے رفقاء جو بھی فیصلہ کریں گے وہ ان کے لیے قابل قبول ہو گا ۔ جناب ایم حمزہ البتہ غالباً کسی مجبوری کی وجہ سے کمیشن کے کام میں مطلق شرکت نہ کر سکے ۔

12 ۔ کمیشن کی خواھش تھی کہ ملک کے ارباب فکر و نظر اور دین و آئین کے ماھرین سے حتی المقدور استفادہ کرے ۔ لیکن وقت کی قلت مانع رھی اور کمیشن ایسے اصحاب کے گراں قدر خیالات سے ۔ اپنی شدید خواھش اور آرزو کے باوجود ۔ استفادہ نہیں کر سکا ۔ بعض قابل احترام شخصیتوں نے خود تشریف لا کر ارکان کمیشن سے تبادلہ خیال کرنے کی خواھش ظاھر کی ۔ لیکن وقت کی شدید قلت ، مسائل کی فراوانی اور پیچیدگی نے ان محترم حضرات کی آراء سے استفادے کا موقع نہ دیا اور بدرجہ مجبوری معذرت کے سوا کوئی چارہ نہ رہا ۔ تاھم جو آراء تحریری طور پر آئیں ان سے اجمالاً یا تفصیلاً تمام ارکان کمیشن کو باخبر رکھنے کی حتی الوسع کوشش کی گئی ۔

13 ۔ کمیشن کی خواھش ھے کہ اس کی مرتب کردہ رپورٹ کو جلد از جلد شائع کر دیا جائے ۔

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی ھدایت اور توفیق سے ارکان کمیشن اٹھارہ دن کی انتہائی مختصر مدت میں یہ رپورٹ پیش کرنے کے قابل ہو سکے ۔ فالحمد للہ علی ذلک و ھو ولی التوفیق ۔

محمد ظفر احمد انصاری

باب اوّل

تمہید

1 - یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ پاکستان کے قیام کا اہم ترین مقصد یہ تھا کہ ہم اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک ایسا معاشرہ قائم کریں جس میں لوگ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن و سنت کے مطابق بسر کر سکیں - قیام پاکستان کے دوسرے تمام عوامل و محرکات اسی بنیادی مقصد کے تابع تھے اور اسی کی روشنی میں زندگی کے دوسرے سب مقاصد کی تکمیل ہونی تھی - حضرت قائد اعظم رحمتہ اللہ علیہ اور تحریک پاکستان کے دوسرے قائدین اور تحریک کے مؤیدین بے شمار علماء کرام و مشائخ عظام نے مسلمانوں کو اس کی بار بار یقین دہانی کرائی ' برصغیر کے مسلمانوں نے اس یقین کے پیش نظر وہ بیش بہا جانی اور مالی قربانیاں پیش کیں جن سے ہم سب واقف ہیں - لہذا ایک ایسی جدید اسلامی ریاست کی تاسیس جو اسلامی اصولوں کو آج کی دنیا میں ایک جیتی جاگتی حقیقت بنا دے ' مسلمانان برصغیر کی متفقہ آواز بن گئی -

2 - ان تمام بے پناہ مصائب و مشکلات کے باوجود جس کا اس نئی ریاست کو سامنا کرنا پڑا قائد اعظم کی توجہ اس اہم اور بنیادی مقصد سے نہیں ہٹی - لیکن مشیت اِلٰہی کو یہ منظور نہ تھا کہ حصول آزادی کے بعد ہم تکمیل آزادی کی مہم بھی بابائے قوم کی رہنمائی میں سر کر سکیں - لیکن انہوں نے جن خطوط پر کام کا آغاز کیا تھا ان پر پیش قدمی ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہی اور 9 مارچ 1949ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے وہ بنیادی دستاویز منظور کر لی جس میں اسلامی دستور کے بنیادی اصول نہایت جا معیت اور خوبصورتی کے ساتھ سمو دئے گئے تھے - یہ دستاویز شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم نے دستور ساز اسمبلی میں پیش کی اور اس کو پوری قوم نے جوش و خروش کیساتھ قبول عام کی سند عطا کر دی - یہ قرارداد مقاصد اس کے بعد ہر دستور میں برقرار رکھی گئی - جس کی تدوین میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور دیگر ممتاز علماء و مفکرین نے سرگرمی سے حصہ لیا تھا - قرار داد مقاصد 1949ء کا مکمل متن ضمیمہ نمبر 1 میں درج ہے -

3 - قرار داد مقاصد کی منظوری کے بعد دوسرا اہم کام یہ تھا کہ اس کی روشنی میں ایک ایسا دستوری خاکہ مرتب کیا جائے جو قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے تعامل ، دور جدید کی ضروریات اور پاکستان کے احوال و ظروف سے بھی کلی مطابقت رکھتا ہو - حکومتی سطح پر اس مقصد کے لئے ایک ادارہ بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ کے نام سے علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کی سربراھی میں قائم کیا گیا جس میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ، شیخ طریقت مولانا عبدالخالق صاحب ، ناسور محقق و ماہر اسلامیات ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اور مفتی جعفر حسین مجتہد بطور رکن اور موجودہ کمیشن کے صدر اس بورڈ کے سیکرٹری تھے - بورڈ نے بہت سے اہم معاملات پر تفصیلی غور و خوض کرکے اہم اور قابل عمل دستوری سفارشات مرتب کیں - غیر سرکاری سطح پر سب سے اہم کام یہ ہوا کہ جنوری 1951ء میں ملک کے تمام مکاتب فکر کے 31 سرکردہ اور ممتاز ترین علماء کا ایک اجلاس علامہ سید سلیمان ندوی کی سربراھی میں کراچی میں منعقد ہوا اور کئی روز کے غور و خوض اور گفتگو کے بعد اسلامی دستوری خاکہ کے وہ بائیس بنیادی اصول مرتب ہوئے جن کی بنیاد پر ایک جامع اور مفصل دستور کی تدوین کی جا سکے - یہ اسلام کی پوری دستوری تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا کہ کسی مملکت کے تمام مکاتب فکر کے سربرآوردہ علماء نے مل کر بالاتفاق کسی اہم دستوری معاملہ پر اسلامی نقطہ نظر سے ایک دستاویز مرتب کی ہو - بائیس نکات کا مکمل متن ضمیمہ 2 میں درج ہے -

4 - ان دو اہم اور بنیادی دستاویزات کی تیاری کے بعد دستور کی تدوین کا کام آگے بڑھا لیکن ملک کو در پیش بے شمار سیاسی ، اقتصادی ، انتظامی اور علاقائی مسائل کی وجہ سے کسی ایک دستور پر بھی کامل اتفاق رائے نہیں ہو سکا 1950ء سے اب تک ملک میں سات دستوری مسودے تیار ہوئے جن میں سے ابتدائی تین مسودات کے نفاذ ھی کی نوبت نہیں آئی اور بعد کے چار مسودات دستور مملکت کے طور پر نافذ ہوئے لیکن مختلف اسباب کی بنا پر دیرپا نہ ثابت ہوئے - یہاں ملک کی دستوری تاریخ بیان کرنے کا موقعہ نہیں - تاہم یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ تمام دستوری مسائل اور سیاسی اختلافات کے باوجود چند اہم اسلامی اصول ایسے ہیں جن پر ہمیشہ سب کا اتفاق رہا اور ان کو ہر دستوری دستاویز میں پیش نظر رکھا گیا - وہ متفق علیہ اصول یہ ہیں -

(الف) اللہ تبارک و تعالٰی ھی پوری کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق اور اقتدار اعلٰی کا مالک ہے ۔

(ب) قرآن و سنت کو مملکت کے بنیادی اور بالا تر قانون کی حیثیت حاصل ہے اور مملکت میں کوئی ایسا قانون جاری اور نافذ العمل نہیں ہو سکے گا جو اس بنیادی قانون سے متصادم ہو ۔

(ج) اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے جو اللہ تبارک و تعالٰی نے اہل پاکستان کو عطا فرمایا ہے ۔

(د) یہ اختیار حکمرانی اہل پاکستان کی طرف سے ان کے معتمد علیہ نمائندے استعمال کریں گے ۔

(ہ) یہ اختیار حکمرانی ان حدود کے اندر رہ کر استعمال ہو گا جو قرآن و سنت نے طے کر دی ہیں ۔

(و) عدل و انصاف کا قیام مملکت کی سب سے اہم اور بنیادی ذمہ داری ہے جس کے لئے ایک آزاد اور با اختیار عدلیہ کا قیام اور ضمانت ناگزیر ہے ۔

(ز) مملکت ایسے تمام اقدامات کرے گی جن سے باشندگان ملک اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھال سکیں ۔

(ح) مملکت میں اسلام کا نظام معیشت رائج ہو گا جس میں نظام زکواۃ کا قیام اور سود کا خاتمہ عمل میں آئے گا جس میں تمام باشندگان ملک کو بنیادی ضروریات فراہم کی جائیں گی اور کسی کو استحصال کا نشانہ نہ بننے دیا جائے گا ۔

(ط) باشندگان ملک کے مابین علاقائی ، لسانی ، قبائلی اور ایسے ھی دوسرے تعصبات کی حوصلہ شکنی اور وحدت اسلامیہ کے حصول کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی ۔

(ی) باشندگان مملکت کو اسلام کے عطا کردہ بنیادی حقوق حاصل ہونگے ۔

5 ۔ کم و بیش یہ وہ اصول تھے جن پر پاکستان میں ہمیشہ اتفاق رائے رہا ہے اور جو ہمارے ہر دستور میں موجود رہے ہیں ' اگرچہ ان پر عمل در آمد کی رفتار خوشگوار اور حوصلہ افزا کبھی نہیں رہی ۔ ان کے ساتھ ساتھ بعض اہم مسائل ایسے بھی تھے جن پر اہل علم ' آئینی ماہرین ' اور علمائے کرام مختلف الرائے رہے ۔ مثلاً انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہوں یا غیر جماعتی بنیادوں پر ' مملکت کا ڈھانچہ وفاقی انداز کا ہو یا وحدانی انداز کا 'رائے دھی براہ راست ہو یا بالواسطہ ' رائے دھندہ کی شرائط کیا ہوں ' شوریٰ میں کون لوگ ہوں ' بحیثیت مجموعی شوریٰ کی ھیئت ترکیبی کیا ہو ' وغیرہ وغیرہ ۔

6 ۔ موجودہ دستوری کمیشن نے قرآن و سنت کی تعلیمات اور قرون اولیٰ کے تعامل کے ساتھ ساتھ پاکستان کی دستوری تاریخ کے اس سارے نشیب و فراز کو بھی سامنے رکھا جن مسائل پر قوم شروع سے متفق اللفظ رہی ہے ان پر زیادہ بحث و تمحیص کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی ۔ علماء کے مرتب کردہ بائیس اصول بھی کبھی مختلف فیہ نہیں رہے ۔ کمیشن کے سامنے یہ تمام دستاویزات تھیں ۔ بیشتر مختلف فیہ مسائل پر تفصیل سے گفتگو ہوئی ' تمام ارکان کمیشن نے اپنا موقف اور اس کے دلائل بیان کئے اور بالآخر کمیشن کو اتفاق رائے سے بہت سے نتائج تک پہنچنے میں مدد ملی کمیشن نے برطانوی ' امریکی ' فرانسیسی ' بھارتی و دیگر سیکولر نظاموں کو ناقابل قبول قرار دیا ۔ کمیشن کے ارکان نے اپنے مطالعہ اور تجزیہ کی روشنی میں حتی الامکان اس امر کی کوشش کی ہے کہ اسلام کے شورائی نظام امارت کے ایسے قابل عمل خاکے کی بنیادیں فراہم کر دیں جو پاکستان کے موجودہ حالات سے بھی مطابقت رکھتا ہو ۔ البتہ اگر کہیں کسی جزوی مسئلہ میں کوئی مفید حل یا تجربہ ہمیں ملا جو دینا میں کہیں کامیابی کے ساتھ ہوا ہے اور جس سے کسی اسلامی مقصد کی تکمیل میں مدد مل سکتی ہے تو کمیشن نے اس سے استفادہ کرنے میں کسی بے جا تعصب سے کام نہیں لیا ۔ اس لئے کہ اسلام ھی نے ھمیں یہ تعلیم دی ہے کہ دانائی کی ھر بات مومن کی گم شدہ پونجی ہے اور جہاں سے بھی دستیاب ہو اسے حاصل کر لینا چاھیے اور اس قسم کے استفادہ کی مثالیں عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے دور میں بھی ملتی ہیں۔

7 ۔ کمیشن کو احساس ہے کہ اس وقت ھمارے اکثر اہل فکر و نظر سیاسی زندگی کے خد و خال متعین کرنے میں افراط اور تفریط کا شکار ہیں ۔ ایک بہت محدود

طبقہ ایسا ہے جو سیاسی نظام کو مذہب کے دائرہ اثر سے خارج سمجھتا ہے اور مغرب کے رائج الوقت سیکولر نظریات کے مطابق زندگی کی تشکیل کا شعوری طور پر علمبردار ہے ۔ ایک اور طبقہ ہے جو اسلام کے سیاسی نظام کے احیاء کا مقصد یہ سمجھتا ہے کہ مسلمانوں نے پچھلے چودہ سو سال میں وقتاً فوقتاً جو بھی سیاسی ادارے اپنی بدلتی ہوئی ضروریات کی خاطر قائم کئے ان کو جوں کا توں اختیار کر لیا جائے ۔ ایک اور طبقہ ہے جس کا موقف یہ ہے کہ اگر ریاست اللہ تعالےٰ کی حاکمیت کا اعتراف کر لے اور اپنے اختیارات کو حدود الٰہی کے تابع بنانے کا اقرار کر لے تو پھر مغربی ممالک کے مروجہ اداروں کو کسی قابل لحاظ تبدیلی کے بغیر بھی اپنایا جا سکتا ہے ۔ کمیشن ان تینوں نقطہ ہائے نظر کو ناقابل قبول سمجھتا ہے ۔ کمیشن نے اس مسئلہ پر غور و خوض کرتے وقت مندرجہ ذیل موقف اختیار کیا ہے ۔

(الف) کمیشن نے کوشش کی ہے کہ اسلام کے سیاسی اور دستوری ڈھانچے کے تعین پر قرآن و سنت کے نصوص ' اجماع امت ' قرن اول کے عوامل کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کے تاریخی تجربے اور مسلم مفکرین کے سیاسی افکار کو بھی مناسب حد تک وزن دیا جائے ۔ مسلمانوں کے تاریخی تجربے اور مسلم مفکرین کی آراء قرآن و سنت کی طرح مقدس اور واجب العمل نہیں ہیں ۔ تاہم ایک باشعور اور غیور قوم کی طرح یہ فطری امر ہے کہ جب تک کوئی اہم سبب متقاضی نہ ہو تو ہم اپنی روایات اور اپنے ورثہ سے وابستہ رہیں ۔ کسی قوم کو اپنی روایات اور اپنے ورثہ سے وابستگی کے لئے کسی خاص سبب کی ضرورت نہیں ہے ۔ البتہ اس کے ترک کا معقول سبب ہونا ضروری ہے ۔ مثلاً منفعت عامہ کا حصول ' یا ضرر عامہ سے تحفظ وغیرہ '

(ب) ہمارا ہر دستور بالعموم بحرانی ادوار میں مرتب ہوا اور ضرورت اس امر کی محسوس ہوتی رہی کہ دانستہ یا نادانستہ ہمارے باہمی اختلافات کے باعث دنیا میں ہمارے ملک کے سرزمین بے آئین ہونے کی جو شہرت ہمارے دشمنوں کی پیہم آرزو رہی ہے وہ کہیں حقیقت ہی کا رنگ نہ اختیار کر لے اور دشمنوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ جو مملکت اپنا آئین ہی نہیں بنا سکتی ' اس کی بقاء کا کیا جواز ہے ۔

(ج) جہاں تک دنیائے اسلام سے باہر کے سیاسی تجربات کا تعلق ہے ہم اس سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس کیلئے وسیع مطالعے اور سنجیدہ غور و فکر کی ضرورت ہے ۔ ماضی میں ہم نے اس سلسلہ میں جو طریق کار اختیار کر رکھا تھا اس میں استفادے کی بجائے سہل انگاری اور کورانہ تقلید کا عنصر غالب رہا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی فکری اور نظریاتی اساس کو ملحوظ رکھتے ہوئے دنیا کے مختلف سیاسی ڈھانچوں اور متنوع اداروں کے تجربات کو اپنے سامنے رکھیں اور ساتھ ھی ساتھ اپنے مخصوص حالات اور مسائل کا غیر جذباتی انداز میں مطالعہ کریں اور پھر یہ طے کریں کہ ہم کن تجربات سے کس حد تک مستفید ہو سکتے ہیں ۔

(د) پاکستان کے لئے اسلامی احکام و اقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے سیاسی ڈھانچے کے خد و خال متعین کرنے میں ہم نے پاکستان کے مخصوص حالات اور مسائل اور 35 سالہ تاریخ کو بھی حتی المقدور پیش نظر رکھا ہے ۔ اور خاص طور سے یہ حقیقت ذھن میں رھی ہے کہ بعض دشمنوں کی سازش کے ساتھ ساتھ کچھ سیاسی عوامل کو بھی 1971ء میں ملک کی سالمیت کو پارہ پارہ کرنے میں خاصا دخل ہے ۔ نئے سیاسی ڈھانچے میں ھمیں ان عوامل کا سد باب کرنے کی تدابیر ذھن میں رکھنا ہوں گی ۔ جو اس المناک تاریخ کو دھرا نہ سکیں ۔

8 ۔ کمیشن کے نزدیک سیاسی خاکہ کی تدوین کے کام کی فوری اھمیت یوں بھی ہے کہ جولائی 1977ء سے پاکستان کی مسلح افواج دوھری ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں ۔ ایک طرف ان پر ملک کی سرحدوں کے دفاع کی ذمہ داری ہے اور دوسری طرف ملک کے انتظام و انصرام کی وہ ذمہ داری جو 1977ء کے الیکشن کے بعد پیدا ہونے والے غیر معمولی حالات میں انہوں نے سنبھال لی ۔ ملک کے بہترین مفادات کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جلد از جلد دوسری ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر اپنی تمام تر دلچسپی ، توجہ اور توانائی ملک کے دفاعی امور پر مرکوز کر دیں ۔ اس احساس کے پیش نظر بھی کہ آج کے دور میں دفاع پہلے کے مقابلہ میں ایک غایت درجہ اختصاص کا شعبہ بن چکا ہے ۔ جو کامل یکسوئی کا تقاضا کرتا ہے ۔ اس بات کی

اهمیت دو چند ہو جاتی ہے کہ ملک کا یہ اہم شعبہ اپنی تمام تر توجہ ملک و ملت کے دفاع پر سر کوز کرے ۔ علاوہ ازیں پاکستان کا مخصوص جغرافیائی اور سیاسی محل وقوع عالمی طاقتوں کی اپنے توسیع پسندانہ اور استحصالی اغراض کے لئے ریشہ دوانیاں ' غیر معمولی طاقتور ریاستوں کی ہمسائیگی ' یہ اور اس طرح کے دوسرے عوامل بھی اس امر کے متقاضی ہیں کہ جلد از جلد عساکر پاکستان کو اس دوھری ذمہ داری سے سبکدوش کر کے ملکی دفاع کے اہم کام کے لئے فارغ کر دیا جائے ۔ آج ہماری کیفیت یہ ہے کہ

بگردا گرد خود چنداں کہ بینم
بلا انگشتری و من نگینم

باب دوم

اسلام کا شورائی نظام ۔ امیر مملکت

1 ۔ اسلام میں امیر مملکت کی حیثیت

اسلامی ریاست کے قیام ، اس کی کامیابی اور اس کے مقاصد کی تکمیل میں امت مسلمہ کے بعد سب سے زیادہ اہم کردار امیر مملکت کا ہوتا ہے ۔ اگر امت کسی مناسب فرد کو امیر مملکت منتخب کرنے میں کامیاب ہو جائے اور وہ مقاصد شریعت کے مطابق مملکت اور حکومت کی سربراہی کا فریضہ انجام دیتا رہے تو پھر مملکت کے مقاصد وجود کی تکمیل آسان ہو جاتی ہے ۔ لیکن اگر امت کسی غیر موزوں یا نااہل شخص کو امیر مملکت منتخب کر لے تو مملکت کے مقاصد وجود کو سخت نقصان پہنچتا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے امیر مملکت کے منصب اور اس کے اوصاف پر بہت زور دیا ہے ۔ اسلام میں امیر کے انتخاب اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ اگر تین آدمی بھی کہیں سفر پر نکل رہے ہوں تو ایک کو امیر بنا لیں تاکہ اس کی رہنمائی میں نظم و ضبط کے ساتھ مقاصد سفر کی تکمیل کر سکیں ۔ بہت سی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر کی اطاعت کی تاکید فرمائی ہے ، الا یہ کہ وہ معصیت کا حکم دے ۔ فقہائے اسلام نے بھی منصب امارت (ریاست کے قیام اور اس کے لیے امیر مملکت کے انتخاب) کو فرض کفایہ یعنی امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری قرار دیا ہے ۔ اگر سب لوگ اس فرض کی انجام دہی سے غافل ہو جائیں اور اپنی ذمہ داریوں کو نہ پہچانیں تو اس سے جو خرابیاں پیدا ہوں گی ان کی ذمہ داری سب مسلمانوں پر ہو گی اور وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے ۔

2 ۔ امیر مملکت کے اوصاف

قرآن مجید میں اجمالاً ، احادیث کریمہ میں تفصیلاً اور فقہائے اسلام کے ہاں نہایت شرح و بسط سے امیر مملکت کی صفات ، خصوصیات اور شرائط کو بیان کیا گیا ہے ۔ ان میں سے بعض اوصاف و شرائط کے بارے میں فقہاء کا جزوی اختلاف بھی ہے ۔

لیکن جن امور پر اتفاق رائے رہا ہے وہ یہ ہیں :

(الف) اسلامی ریاست کا شہری ہو

(ب) مسلمان ہو

(ج) مرد ہو

(د) بالغ اور پختہ کار ہو

(ہ) سلیم الاعضاء اور سلیم الحواس ہو

(و) عاقل ہو

(ز) شریعت کا اتنا علم رکھتا ہو جتنا ایک اسلامی ریاست کی سربراھی کی ذمہ داری انجام دینے کے لیے ضروری ہے

(ح) عادل ہو

(ط) جس اہم منصب کے لیے اس کو چنا گیا ہے اس کی ذمہ درایاں انجام دینے کی اہلیت رکھتا ہو

(ی) دیانت دار ' متقی اور پرہیز گار ہو ۔

ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض اوصاف تو ایسے ہیں کہ ان کو قانونی شرائط کے طور پر دستور کا جزو بنایا جا سکتا ہے ۔ لیکن بعض اوصاف ایسے بھی ہیں جن کو قانونی طور پر قابل نفاذ نہیں بنایا جا سکتا ' بلکہ محض ان حضرات کی رائے اور صوابدید پر ان کا فیصلہ چھوڑ دینا چاہیے جو صدر کو منتخب کر رہے ہوں ۔ علاوہ ازیں ان دس اوصاف میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی بابت فقہائے اسلام میں کوئی اختلاف موجود نہیں ۔ دو اوصاف ایسے ہیں کہ ان کے تعین میں فقہاء مختلف الرائے ہیں ۔ ایک تو شریعت کا علم رکھنا اور دوسرے عادل ہونا ۔ بعض فقہاء نے امیر مملکت کے لئے مجتہد ہونا ضروری قرار دیا ہے بعض دوسرے فقہاء نے مجتہد ہونا ضروری قرار نہیں دیا بلکہ صرف اتنے علم کو ضروری قرار دیا ہے جو اسلامی ریاست کی سربراھی کے لئے

کسی خاص وقت یا ماحول میں ضروری تصور کیا جائے - اسی طرح عادل کے وصف پر فقہاء نے بہت تفصیل سے بحث کی ہے جن کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں - غالباً سب سے زیادہ جامع اور موزوں تعریف جس کو اسلامی نظریاتی کونسل نے بعض دوسرے
هائے قانون میں خاصی بحث و تمحیص کے بعد اختیار کیا ہے وہ ہے جو فقہ حنفی کی مستند کتاب «مجلۃ الاحکام العدلیہ» (دفعہ 1705) میں مذکور ہے - یعنی عادل وہ ہے جس کی اچھائیاں مجموعی طور پر اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں - مجلہ کے بعض شارحین نے اسی تعریف کو ذرا مختصر اور واضح الفاظ میں یوں لکھا ہے : عادل وہ ہے جو اوامر پر کاربند ہو اور نواھی سے مجتنب رہتا ہو (شرح مجلہ ، خالد اتاسی ، جلد پنجم ، ص 283) -

3 - انتخاب امیر کے اسلامی اصول

اسلام نے امیر مملکت کے انتخاب کے لئے کوئی لگا بندھا ، معین اور طے شدہ طریقہ کار نہیں دیا ، بلکہ بعض عمومی ہدایات دے کر ہمیں آزاد چھوڑ دیا ہے کہ ہم مقاصد شریعت کے ساتھ ساتھ حالات ، ماحول و ظروف ، زمان و مکان کے مقتضیات اور اپنی ضروریات کے پیش نظر ان اصولوں کی روشنی میں کوئی مناسب طریقۂ کار باھمی مشورے سے طے کر لیں - جب تک وھی حالات و مقتضیات رہیں گے یہ طریقۂ کار باقی رہے گا اور جب حالات بدل جائیں گے ، ضروریات بدل جائیں گی اور زمان و مکان کے تقاضے بدل جائیں گے تو وہ طریقۂ کار بھی بدل جائے گا - قرآن مجید کی متعلقہ آیات و احادیث نبوی کے متعلقہ احکام کو پیش نظر رکھا جائے تو حسب ذیل عمومی ہدایات ہمیں ملتی ہیں جن کی بنیاد پر ہم کوئی مناسب طریقۂ کار پاکستان کے موجودہ حالات و ضروریات کے پیش نظر وضع کر سکتے ہیں -

(الف) سربراہ مملکت کو قوم کی اکثریت (جمہور) کا اعتماد حاصل ہونا چاھیے - اس اعتماد کا اظہار جمہور براہ راست بھی کر سکتے ہیں اور اپنے معتمد علیہ نمائندوں کے ذریعے بھی -

(ب) امیر مملکت اس وقت تک اپنے منصب پر فائز رہے جب تک ارباب حل و عقد اسکی معزولی کا فیصلہ صادر نہ کریں -

(ج) امیر مملکت نہ صرف قوم کا قائد اور رہنما ہو ' بلکہ مملکت کے اہداف و جن کے مقاصد کے حصول کی اجتماعی جد و جہد کا اولین ذمہ دار بھی ہو۔

(د) اپنے فرائض کی انجام دہی میں وہ کتاب و سنت کے احکام اور شوریٰ کے اجماعی فیصلوں کے علاوہ کسی اور چیز کا پابند نہ ہو۔

ان اصولوں کو سامنے رکھ کر کمیشن نے متفقہ طور پر سفارش کی کہ پاکستان کا ایک امیر مملکت ہو جو مملکت پاکستان کا رسمی سربراہ بھی ہو اور حکومت کا انتظامی سربراہ بھی۔ اس مرحلے پر ارکان کمیشن نے مروجہ نظاموں — صدارتی اور پارلیمانی — دونوں کے نقائص ومحاسن پر تفصیلی گفتگو کی اور طویل بحث و تمحیص کے بعد طے کیا کہ ہم نہ امریکہ کے صدارتی نظام کو اس کی تمام تفصیلات و جزئیات کے ساتھ قبول کر سکتے ہیں اور نہ برطانیہ کے پارلیمانی نظام کو اختیار کر سکتے ہیں۔ دونوں میں بعض ایسی قباحتیں موجود ہیں جو اسلام کے احکام سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ لہذا جب ان میں سے کسی ایک نظام کو بھی جوں کا توں قبول نہیں کیا جا سکتا اور اس میں اصلاحات و ترامیم ناگزیر ہیں تو کیوں نہ ان دونوں کو ترک کرکے اسلامی روایات کے مطابق نظام امارت ہی کو اختیار کیا جائے جو بعض دوسری تفصیلات میں صدارتی نظام سے مشابہ ہونے کے باوجود بہت سی اہم باتوں میں اس سے مختلف ہے۔

4۔ امیر مملکت اور سربراہ مملکت ایک ہی شخص ہونا چاہیے

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اسلامی روایات کا تقاضا یہی ہے کہ جو شخص امیر مملکت ہو وہی سربراہ حکومت بھی ہو۔ بعض ممالک میں برطانوی نو آبادیاتی اثرات کے تحت یا دوسرے ایسے ہی ناگزیر اسباب کی بناء پر آزادی کے بعد فوری طور پر برطانوی طرز کے پارلیمانی نظام کو اختیار کر لیا گیا تھا۔ ان میں بہت سے مسلم ممالک بھی شامل تھے۔ لیکن افریقہ اور ایشیا کے بہت سے ممالک جنہوں نے اس وقت ہنگامی طور پر برطانوی پارلیمانی طرز کو جوں کا توں اختیار کر لیا تھا ' وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مسئلے پر دوبارہ غور کرنے پر مجبور ہوئے اور آخرکار اس نظام سے انہیں جلد یا بدیر چھٹکارا حاصل کرنا پڑا۔ ان ممالک میں سری لنکا ' نائیجیریا ' انڈونیشیا ' عراق وغیرہ شامل ہیں۔

ذیل میں پارلیمانی نظام کے چند ایسے نقائص کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن کے پیش نظر یہ ممالک اس سے چھٹکارا حاصل کرنے پر مجبور ہوئے :

(الف) پارلیمانی نظام میں عام تاثر کے برعکس امر واقعہ یہ ہے کہ وزیر اعظم کے مختار کل ہو جانے کے قوی امکانات ہوتے ہیں۔ پارلیمانی نظام کو اس کی مکمل برطانوی ساخت و پرداخت کے مطابق اپنایا جائے تو مملکت کے تینوں بنیادی ادارے وزیر اعظم کی مٹھی میں ہوتے ہیں۔ وہ سربراہ حکومت بھی ہوتا ہے اور مقننہ کا قائد ایوان بھی۔ کابینہ کی حیثیت مقننہ ھی کی ایک ذیلی مجلس کی ہوتی ہے جو در اصل مقننہ کو کنٹرول کرتی ہے۔ پھر چونکہ اس نظام میں پارلیمنٹ کو مقتدر اعلیٰ کی حیثیت حاصل ہے، اس لیے عدلیہ مقننہ کے ہر فیصلے کی پابند اور اس کی ترجمان اور شارح ہوتی ہے۔ وہاں عدلیہ کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کو کسی بنیاد پر بھی کالعدم کر سکے۔ تاہم اگر پاکستان اور دوسرے وفاقی ممالک کے تجربے کے مطابق عدلیہ کو برتر حیثیت دے بھی دی جائے تو بھی انتظامیہ اور مقننہ تو بہر صورت وزیر اعظم کے قابو میں رہتی ہیں اور وہ ان دونوں کے اثرات کو استعمال کر کے عدلیہ کی برتری کو کم سے کم کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

(ب) اس پارلیمانی نظام میں وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کو آمرانہ اختیارات رکھنے اور اپنی من مانی کرنے کے مواقع بہت ملتے رہنے کے باوجود یہ لوگ انفرادی طور پر کہیں بھی جواب دہ نہیں ہوتے۔ اگر اسمبلی میں حکمران پارٹی کو مستقل اکثریت حاصل ہو جائے تو پھر پانچ چھ سال تک کوئی بھی ان لوگوں سے باز پرس نہیں کر سکتا اور نہ صرف وزراء، بلکہ ان کی پارٹی کے ارکان تک جو چاہتے ہیں کرتے پھرتے ہیں۔

(ج) اس کے برعکس اگر حکمران پارٹی کو ایوان میں مستقل اور مطلق اکثریت حاصل نہ ہو تو نہ کبھی مضبوط اور پائیدار حکومت بنتی ہے اور نہ یکسوئی سے فیصلے ہو سکتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں

حکومت مجبور ہوتی ہے کہ ہر قابل ذکر پارٹی کو خوش رکھے اور وزارت برقرار رکھنے کے لیے ہر اہم معاملے پر سودے بازی کرے۔

(د) پارلیمانی نظام میں حکومت بروقت کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی ، بالخصوص مخلوط حکومت کی صورت میں ہر پارٹی کے لیڈر کی رائے لینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ورنہ عدم اعتماد کا خطرہ رہتا ہے۔ بعض اوقات ایسی صورت حال ملک کے لئے بڑی خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

(ہ) پارلیمانی نظام میں وزارت کی نازک اور اہم ذمہ داریاں سپرد کرتے وقت فرد کی لیاقت اور صلاحیت کے بجائے اسمبلی میں اس کی حیثیت او[illegible] اس کے جتھے کی تعداد پیش نظر رکھنی پڑتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر کم صلاحیتوں اور معمولی اہلیتوں کے لوگ وزارت کے منصب پر فائز ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں اسلامی روایات بھی برطانوی پارلیمانی نظام سے مطابقت نہیں رکھتیں ۔اول تو امیر مملکت کی حیثیت پارلیمانی نظام میں محض برائے نام اور بڑی حد تک نمائشی ہوتی ہے۔ اس کے نہ کوئی خاص فرائض ہوتے ہیں اور نہ کوئی ذمہ داریاں ، بلکہ وہ محض چند رسمی کاموں کے لیے وقف رہتا ہے۔ اس کا سارا مصرف یہی ہے کہ اہم قومی موقعوں پر بیان جاری کر دے اور اکیس توپوں کی سلامی لے لے ، یا بیرون ملک سے آنی والی کسی اہم شخصیت سے محض رسمی ملاقات کر لے۔ مزید برآں پارلیمنٹ کے مقتدر اعلیٰ ہونے کا اصول اسلامی احکام سے متصادم ہے۔

اس طرح اسلامی نقطۂ نظر سے امریکی طرز کے صدارتی نظام میں بھی بعض قباحتیں موجود ہیں جن کے پیش نظر اس نظام کو بھی جوں کا توں کسی اسلامی مملکت میں اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ مختصراً یہ کہ :

(الف) امریکی نظام میں صدر کو مقننہ کے فیصلوں کو مسترد کر دینے کا حق حاصل ہے جب کہ اسلام میں اکثر فقہاء کے نزدیک امیر مملکت کو ایسا کوئی

اختیار حاصل نہیں کہ وہ شوریٰ کے فیصلوں کو رد کر سکے ' الا یہ کہ کوئی فیصلہ نصوص شرعیہ سے معارض ہو ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ' یارسول اللہ ' عزم سے کیا مراد ہے ؟ (یعنی اس آیت کریمہ میں «تم ان سے معاملات میں مشورہ کرو اورجب عزم کرلو تو پھر اللہ پر توکل کر لو») رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ' یعنی اہل الرائے سے مشورہ کر کے ان کا اتباع کرو ۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاخطہ ہو «احکام القرآن» ' الجصاص ' زیر آیت) ۔

(ب) صدارتی نظام میں صدر اور پارلیمانی نظام میں سربراہ ہر قسم کے قانونی مواخذے سے بالاتر متصور ہوتے ہیں ۔ ان کے خلاف نہ کوئی دیوانی مقدمہ دائر ہو سکتا ہے اور نہ کوئی فوجداری ۔ یہ تصور اسلام کے اصول مساوات کے بالکل خلاف ہے ۔

بہر حال یہ اور اسی طرح کے دوسرے نقائص تھے جن کے پیش نظر کمیشن نے فیصلہ کیا کہ رائج دونوں نظاموں میں سے کسی کو بھی اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ قبول نہ کیا جائے ۔ یہاں یہ بیان کرنا بے محل نہ ہو گا کہ پاکستان کے ممتاز علماء و مفکرین بشمول مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق چیئرمین اور سابق چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس حمود الرحمٰن مرحوم نے بھی پارلیمانی طرز حکومت کو اسلامی تصورات سے متصادم قرار دیا تھا ۔ مشہور برطانوی قانون دان اور ماہر دستوریات سر آئیور جیننگز نے بھی برطانوی طرز کے پارلیمانی نظام کو پاکستان میں اختیار کرنا ایک غیر دانش مندانہ اقدام قرار دیا تھا ۔ ان اصحاب نے اپنی اپنی تحریروں میں اس موضوع پر کافی شرح و بسط سے گفتگو کی ہے ۔

پاکستان کے لئے برطانوی ' امریکی ' فرانسیسی یا کوئی اور نظام اختیار کرنے کے بجائے کمیشن اسلام کے شورائی نظام کے نفاذ کی سفارش کرتا ہے ۔ البتہ اسلامی شورائی نظام کی تفصیلات مرتب کرنے میں اپنے یا دوسروں کے تجربات سے استفادہ میں کوئی امر مانع نہیں ہے ۔

5 ۔ امیر مملکت کی بابت کمیشن کی تجاویز

کتاب و سنت کے متعلقہ احکام ' خلفائے راشدین کے تعامل ' تاریخ اسلام کی روایات ' پاکستان کے سابقہ دستوری تجربات اور موجودہ احوال و ظروف کی روشنی میں

امیر مملکت کے ضمن میں کمیشن کی تجاویز درج ذیل ہیں۔

امیر مملکت کی بابت دستور پاکستان کے احکام یہ ہونے چاہئیں :

1۔ پاکستان کا ایک امیر مملکت ہو گا جس کو اس دستور میں مقرر کردہ احکام کے مطابق منتخب کیا جائے گا۔

2۔ امیر مملکت کی صفات و شرائط حسب ذیل ہوں گی :

(الف) مسلمان ہو اور مرد ہو

(ب) کم از کم دس سال سے پاکستانی شہری ہو اور اقامت پذیر ہو

(ج) عمر چالیس سال سے کم نہ ہو

(د) فہم و فراست اور جسمانی صحت کے اعتبار سے فرائض امارت بخوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو

(ہ) اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو

(و) فرائض کا پابند اور کبائر سے مجتنب ہو

(ز) قیام پاکستان کے بعد کبھی ملک کی سالمیت، اور نظریہ پاکستان کی مخالفت نہ کی ہو

(ح) مجلس شوریٰ کا رکن بننے کی اہلیت رکھتا ہو

3۔ امیر مملکت کے فرائض حسب ذیل ہوں گے :

(الف) امیر مملکت نظم مملکت کا ذمہ دارہوگااور مملکت کے آئینی اور انتظامی سربراہ کی حیثیت سے جملہ فرائض انجام دے گا۔

(ب) امیر مملکت بلحاظ عہدہ ملک کی تمام مسلح افواج کا سپہ سالار اعلیٰ ہو گا۔

4 ۔ امیر مملکت کے اختیارات حسب ذیل ہوں گے :

(الف) امیر مملکت کو اس دستور اور ملک کے رائج الوقت قانون کے مطابق وہ تمام اختیارات حاصل ہوں گے جو مملکت کے آئینی اور انتظامی سربراہ کی ذمہ داریاں انجام دینے کے لئے ضروری ہیں ۔

(ب) امور مملکت کی انجام دھی کے لیے بالعموم منتخب ارکان شوریٰ میں سے حسب ضرورت و صوابدید وزراء ، نائب وزراء اور وزرائے مملکت مقرر کر سکے گا ۔

(ج) اھم اور فنی معاملات میں مشورہ لینے کے لیے حسب ضرورت و صوابدید مشیر مقرر کر سکے گا ۔

(د) جس زمانے میں مجلس شوریٰ کا اجلاس نہ ہو رہا ہو ، امیر مملکت کو اختیار ہو گا کہ اھم ملکی مصالح کے پیش نظر فوری اھمیت کے کسی معاملے سے متعلق کوئی آرڈیننس جاری کر سکے ، البتہ ایسا ہر آرڈیننس یوم نفاذ سے تین ماہ کے اندر اندر مجلس شوریٰ کے سامنے توثیق یا ترمیم کے لیے پیش کر دیا جائے گا ، لیکن یوم نفاذ سے تین ماہ گزرنے کے بعد اس کی قانونی حیثیت خود بخود ختم ہو جائے گی ، اور اسے دوبارہ اسی مضمون یا مماثل اثرات کا حامل آرڈیننس اختتام میعاد مذکورہ سے تین ماہ کے اندر جاری کرنے کا اختیار نہ ہو گا ۔

5 ۔ امیر مملکت اپنے اختیارات کے استعمال میں حسب ذیل تحدیدات کا پابند ہو گا :

(الف) امیر مملکت اپنے جملہ اختیارات کو قرآن و سنت کی بیان کردہ حدود و قیود کے اندر رہ کر استعمال کرے گا ۔

(ب) امیر مملکت دستور کو کلاً یا جزواً معطل نہیں کر سکے گا ۔

(ج) امیر مملکت کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ وہ کسی بھی حالت میں مجلس شوریٰ توڑ سکے ۔

(د) امیر مملکت جملہ شہری حقوق و فرائض میں عامۃ المسلمین کے برابر ہو گا اور قانونی مواخذے سے بالاتر نہ ہو گا ۰ البتہ امیر مملکت کے خلاف قانونی کارروائی یا عدالتی چارہ جوئی اس طریقۂ کار کے مطابق ہو گی جو دفعہ بارہ میں بیان کیا گیا ہے ۔

(ہ) امیر مملکت کوئی ایسا انتظامی یا قانونی حکم نامہ ۰ فرمان یا ہدایت جاری کرنے کا مجاز نہ ہو گا جو قرآن و سنت کے کسی حکم سے متصادم ہو ۔ اس قسم کے ہر حکم ۰ حکم نامہ ۰ فرمان یا ہدایت کو عدالت کے ذریعے کالعدم کیا جا سکے گا ۔

(و) امیر مملکت مرکزی مجلس شوریٰ کے فیصلوں کا پابند ہو گا ۰ تاہم اگر اس کو شوریٰ کے کسی فیصلے سے اتفاق نہ ہو تو وہ اس فیصلے کی وصولی کے پندرہ یوم کے اندر اندر ان اسباب کی نشاندھی کے ساتھ جن کی وجہ سے اس کو شوریٰ کے اس فیصلے سے اتفاق نہیں ہے وہ فیصلہ شوریٰ کو واپس بھیج سکے گا ۔ لیکن اگر مجلس شوریٰ اپنے سابقہ فیصلے کو دوبارہ کل ارکان کی دو تہائی اکثریت سے برقرار رکھے تو امیر مملکت اس کا پابند ہو گا کہ یا تو وہ اس فیصلے کو قبول کرے یا بصورت دیگر مستعفی ہو جائے ۔

۱ ۔ امیر مملکت کا انتخاب حسب ذیل طریقے کے مطابق عمل میں آئے گا ۔

(الف) امیر مملکت کے انتخاب کے لئے مرکزی مجلس شوریٰ اور صوبائی مجالس شوریٰ مشترکا انتخابی ادارہ ہوں گی ۔

(ب) **اِس منصب کے لئے کسی فرد کا نام مرکزی مجلس شوریٰ کے کم از کم** دس ارکان تجویز کریں گے جس کی تائید صوبائی مجالس شوریٰ کے کم از کم دس ارکان کریں گے ۔

(ج) تجویز شدہ افراد میں سے انتخابی ادارہ امیر مملکت کا انتخاب کم از کم پچپن فیصد اکثریت سے کرے گا ۔ تجویز شدہ فرد ایک ہو یا ایک رہ جائے تو وہ بلا مقابلہ منتخب قرار دیا جائے گا ۔

(د) یہ بات مرکزی اور صوبائی مجالس شوریٰ کے انتخاب سے پہلے عام رائے دھندگان کی واقفیت کے لئے پوری طرح مشتہر اور واضح کر دی جائے گی کہ ان مجالس کے ارکان ھی امیر مملکت کے انتخاب کے لئے ان کے وکیل اور ان کی طرف سے مجاز و مختار متصور ہوں گے ۔

(ہ) اگر مجلس شوریٰ کے کسی رکن کو یہ شکایت ہو کہ انتخاب کے لئے تجویز شدہ شخص مطلوبہ اوصاف و شرائط پر پورا نہیں اترتا تو وہ الیکشن کمیشن کو اپنی اس شکایت سے آگاہ کرے گا اور الیکشن کمیشن شکایت وصول ہونے کے اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر اپنا فیصلہ دے گا جو حتمی اور آخری ہو گا ۔

(و) منتخب امیر مملکت اپنے انتخاب کے بعد پہلے جمعہ کو نماز جمعہ سے قبل اپنے منصب کا حلف اٹھائے گا اور قوم سے خطاب کرے گا ۔

(ز) امیر مملکت کے حلف اٹھانے کے بعد مرکزی اور صوبائی مجالس شوریٰ کے ارکان امیر مملکت سے بیعت اطاعت اور حلف وفاداری اٹھائیں گے ۔

7 ۔ امیر مملکت کے منصب کی میعاد تاریخ حلف برداری سے پانچ سال ہو گی ۔

8 ۔ کوئی فرد دو بار سے زیادہ منصب امارت کے لئے منتخب نہیں ہو سکے گا ۔

9 ۔ امیر مملکت کی ملک سے غیر حاضری یا ایسی معذوری میں جس میں وہ عارضی طور پر کام کرنے کے قابل نہ رہے قائمقام امیر مملکت بطور امیر مملکت فرائض انجام دے گا ۔

10 ۔ وفات ، استعفیٰ یا علیحدگی کی صورت میں نئے امیر مملکت کا انتخاب چار ماہ کے اندر حسب ضابطہ مذکورہ فقرہ نمبر ۶ عمل میں آئے گا اور اس کی حلف برداری تک قائمقام امیر مملکت بطور امیر مملکت فرائض انجام دے گا ۔

11 ۔ (۱) حسب ذیل صورتوں میں امیر مملکت کو اس کے منصب سے علیحدہ کیا جا سکے گا ۔

(الف) قرآن و سنت کے احکام کی صریح نافرمانی اور خلاف ورزی پر

(ب) آئین کی صریح خلاف ورزی پر

(ج) فقرہ نمبر 5(2) میں بیان کردہ امیر کے اوصاف و شرائط میں سے کسی وصف یا شرط کے زائل ہونے پر

(د) کسی سنگین بدعنوانی پر جو اس عظیم منصب کے وقار یا ملک و ملت کے مفاد کے منافی ہو۔

(2) مندرجہ بالا الزام یا الزامات کی بنیاد پر امیر مملکت کو اس کے منصب سے علیحدہ کرنے کی تحریک مرکزی مجلس شوریٰ کے کسی ایوان کے کم از کم ایک تہائی ارکان اپنی دستخطی تحریر کے ذریعے متعلقہ ایوان میں پیش کر سکیں گے۔

(3) ایسی کسی تحریک کے پیش ہونے کے اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر شوریٰ کے متعلقہ ایوان کا صدر، مذکورہ تحریک کی ایک مصدقہ نقل امیر مملکت کو بھیج دے گا جس کی وصولی کے دس روز کے اندر اندر امیر مملکت اپنی وضاحت، اگر کوئی ہو، متعلقہ ایوان کے صدر کو بھیج دے گا۔

(4) امیر مملکت کی وضاحت موصول ہونے یا نہ ہونے دونوں صورتوں میں امیر مملکت کو تحریک کی مصدقہ نقل بھیجے جانے کے چودہ روز کے بعد مرکزی مجلس شوریٰ کے دونوں ایوانوں کا مشترک اجلاس ایوان بالا کا صدر طلب کرے گا اور اس اجلاس میں اس تحریک پر بحث ہو گی جس کے دوران امیر مملکت اصالتاً یا وکالتاً پیش ہو کر اپنا موقف پیش کرنے کا حق دار ہو گا۔

(5) اس مشترکہ اجلاس میں بحث کے اختتام پر رائے شماری ہو گی۔ اگر اراکین مجالس شوریٰ مذکورہ اپنی دو تہائی اکثریت سے تحریک منظور کر لیں تو امیر مملکت کو معزول قرار دیا جائے گا۔ اور حسب احکام دستور نئے امیر مملکت کے انتخاب تک قائمقام امیر مملکت بطور امیر مملکت فرائض انجام دے گا۔

(12) دفعہ «5» ضمن «د» میں بیان کردہ قانونی کارروائی / عدالتی چارہ جوئی کا طریقۂ کار حسب ذیل ہو گا :

(الف) امیر مملکت کے خلاف دوران امارت ہر دعویٰ یا استغاثہ اس عدالت عالیہ میں داخل کیا جائے گا جسے علاقائی اختیار سماعت حاصل ہو ' جس کی سماعت سرسری بلا طلبی فریق ثانی عدالت مذکور کے ابتدائی اجلاس میں کی جائے گی۔

مگر عدالت مذکور مجاز ہو گی کہ اپنی صوابدید پر وہ مدعا علیہ کو آغاز سماعت سے قبل یا کسی اور مناسب مرحلے پر اطلاع نامہ بھیجے اور اسکی جانب سے اس کے شخصی وکیل یا مختار کو سرسری سماعت میں حصہ لینے کی اجازت دے۔

(ب) اگر عدالت عالیہ ابتدائی سماعت کے بعد اس نتیجے پر پہنچتی ہے۔ کہ مقدمہ زیر بحث باقاعدہ مکمل سماعت اور فیصلے کا محتاج ہے تو یہ مقدمہ عدالت عالیہ متعلقہ کے اجلاس کامل میں ابتدائی طور پر سماعت اور فیصل ہو گا۔ جس میں مد عا علیہ کو حسب ضابطہ مروجہ حاضری اور جواب دہی کیلئے طلب کیا جائے گا۔ اس طرح حسب ضابطہ تحقیقات کی تکمیل کی جائے گی اور آخری فیصلہ صادر کیا جائے گا۔

(ج) کسی آخری فیصلے کے خلاف جو مقدمہ محولہ بالا میں عدالت عالیہ سے صادر کیا جائے گا فریقین کو عدالت عظمیٰ میں سرافعہ پیش کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ جس کی سماعت حسب ضابطہ عدالت مذکور کی جائے گی اور اس کا فیصلہ قطعی اور آخری ہو گا۔

(د) مقدمہ مذکور کے آخری حکم کی تعمیل بذریعہ درخواست عدالت عالیہ کے ابتدائی اجلاس سے حسب ضابطہ و قانون مملکت کرائی جائے گی۔

(ہ) اگر دوران مقدمہ محولہ بالا امیر مملکت کسی صورت سے اپنے عہدے سے علیحدہ ہو جائے تو بھی مقدمہ طریقہ مقررہ کے مطابق ہی قابل سماعت و فیصلہ رہے گا۔

باب سوم

اسلام کا شورائی نظام : مجلس شوریٰ

1 ۔ اسلام میں شوریٰ کی اہمیت

قرآن مجید میں نظم مملکت کے جو بنیادی اصول دیے گئے ہیں ان میں ایک اہم اصول شوریٰ ہے ۔ باہمی مشورے سے معاملات کو چلانے کی اسلام میں کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید نے گھریلو اختلافات سے لے کر ملکی معاملات اور ملی مسائل تک ہر چیز کو باہمی مشورے اور برادرانہ تبادلہ خیال سے حل کرنے کا حکم دیا ہے ۔ (ملاحظہ ہو سورہ البقرہ ، آیت 233 ، سورہ آل عمران آیت 159 ، سورہ شوریٰ ، آیت 38) خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ تھا کہ آپ کسی بھی معاملے کو صحابہ کرام سے مشورہ کیے بغیر فیصل نہ فرماتے تھے ۔ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ روایت ترمذی اور بیہقی میں موجود ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء کا بھی یہی طریقہ کار رہا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی اس انداز سے تربیت فرمائی تھی کہ باہمی مشاورت کا اصول ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ایک خاص صفت بن گیا تھا ۔ امام بخاری لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے قائدین اور حکمرانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ مباح امور میں بھی آسان طریقہ کار اور مناسب حل تک پہنچنے کے لئے اھل علم اور اھل امانت و دیانت حضرات کے مشورے سے معاملات کو طے کیا کرتے تھے ۔ بیہقی نے (السنن الکبری ، جلد دھم ص 114۔115) روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ھدایت نہ ملتی تو وہ مسلمانوں کے سربرآوردہ اصحاب اور اھل علم (رؤس المسلمین و علماء ھم) کو طلب فرما کر ان سے مشورہ کرتے اور

ان کی متفقہ رائے کے مطابق مسئلے کا فیصلہ فرماتے ۔ یہی طریقہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے خلفاء کا تھا ۔ حضرت عمر کا یہ قول مشہور ہے کہ اس معاملے میں کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی جس کو شوریٰ سے بالا بالا طے کر دیا جائے ۔

شوریٰ کے اصول کی اسی خاص اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک ایسا معیار قرار دیا ہے ۔ جس کو سامنے رکھ کر امت کی دینی ، اخلاقی اور اجتماعی کیفیت کو جانچا جا سکتا ہے ۔ حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت امام ترمذی نے نقل کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک تمہارے حکام اور امراء تم میں بہترین لوگ ہوتے رہیں ، جب تک تمہارے دولتمند لوگ تم میں سب سے زیادہ سخی اور وسیع الظرف رہیں اور جب تک تمہارے معاملات تمہارے درمیان شوریٰ سے طے ہوتے رہیں اس وقت تک زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے پیٹ سے بہتر ہے (یعنی تمہاری زندگی خوش حال اور قابل رشک ہے) ۔ لیکن جب تمہارے حکام اور امراء تم میں بدترین لوگ ہوں ، تمہارے دولت مند لوگ تم میں سب سے بخیل اور زر پرست ہوں اور تمہارے اجتماعی معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں (یعنی معاشرے میں اجتماعی ذمہ داریوں کی انجام دھی کا اسلامی تصور مختل ہو جائے) تو اس وقت زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہے (یعنی پھر تمہاری زندگی اسلامی نقطہ نظر سے قابل رشک نہیں رہے گی) ۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں یہ یقین دھانی فرمائی ہے کہ شوریٰ پر عمل کرنے والے لوگ کبھی ناکام و نامراد نہیں ہوں گے ، بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی خاص راھنمائی میسر رہے گی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی ارشادات کے پیش نظر شوریٰ کو بجا طور پر اسلام کے نظم مملکت کا اہم ترین ستون قرار دیا گیا ہے ۔ حتیٰ کہ اگر کوئی حکمران شوریٰ کے طریقہ کو بالکل ھی نظر انداز کر دے تو یہ بات اس کی معزولی کا کافی سبب قرار دی گئی ہے ۔ اس طرح اسلام نےاستبدادیتاور مطلق العنانی کی جڑ ھی کاٹ دی ہے ۔

2 ۔ مشورہ کن لوگوں سے لیا جائے

شوریٰ کی اس اہمیت کے پیش نظر بجا طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن اصحاب کو مشورہ کے اس عمل میں شریک کیا جائے وہ کون لوگ ہوں اور ان کی صفات و

خصوصیات کیا ہوں ۔ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے جب ہم متعلقہ آیات کریمہ اور احادیث نبویہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے سامنے چند عمومی صفات آتی ہیں ، مثلاً یہ کہ اصحاب شوریٰ عاقل و بالغ ہوں اور اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے امور مملکت سے متعلق ذمہ دارانہ رائے قائم کر سکیں اور علم و دیانت میں قابل اعتماد ہوں ۔

علم کی صفت پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ سید رشید رضا نے لکھا ہے کہ یہاں علم سے اس کا وسیع مفہوم مراد ہے ۔ اس میں دینی علوم کا علم ، سیاسیات کا علم اور طب ، انجنیرنگ وغیرہ علوم و فنون سے واقفیت سب شامل ہے ۔ یہ ضروری نہیں کہ ارکان شوریٰ سب کے سب ان علوم و فنون کے ماہر ہوں ، بلکہ بحیثیت مجموعی ان میں ایسے لوگ شامل ہونے چاہیں جو ان علوم و فنون سے فرداً فرداً واقف ہوں ، ان میں علماء شریعت کی بھی اتنی تعداد ہونی چاہیے کہ وہ سب مل کر کوئی اجتہادی رائے قائم کر سکیں ۔ (بحوالہ عبد القادر عودہ : الاسلام واوضاعنا السیاسیة (اسلام اور ہمارے سیاسی حالات) ، طبع قاھرہ ، 1951ء ، ص 156) ۔ ان بنیادی صفات کے ساتھ ساتھ ایک اہم ضروری شرط یہ ہے کہ ان اصحاب کو عامۃ الناس کا اعتماد حاصل ہو ۔ امام غزالی ، علامہ سعد الدین تفتازانی اور شاہ ولی اللہ نے اس شرط پر تفصیل اور وضاحت سے گفتگو کی ہے ۔ علامہ سعد الدین تفتازانی نے صاف طور پر لکھا ہے کہ ان کی ضروری صفات و شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ عام لوگ ان کا اتباع کرتے ہوں ۔

فقہائے اسلام نے ان اوصاف و شرائط کو اور اپنے اپنے زمانے کی ضروریات اور احوال و ظروف کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر ان افراد کا تعین کرنے کی کوشش کی جو مختلف زمانوں اور علاقوں میں اصحاب شوریٰ قرار دیے گئے ۔ یہاں اس کی چند مثالیں دینا نامناسب نہ ہو گا ۔ ساتویں صدی ھجری کے مفسر علامہ ابو عبداللہ قرطبی نے ایک قدیم تر مفسر کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حکمران کو چاہیے کہ دینی امور میں علمائے دین سے ، جنگی امور میں ماہرین جنگ سے ، عوام کی بہبود کے کاموں میں معاشرہ کی سربرآوردہ شخصیتوں (وجوہ الناس) سے ، اور ملکی مصالح یعنی ترقیاتی کاموں میں وزراء اور عمال حکومت سے مشورہ لیا کرے (ابن خویز منداد ، بحوالہ تفسیر قرطبی ، جلد چہارم ، ص 249 ۔ 250) اٹھویں صدی ھجری کے علامہ کمال ابن ہمام نے علماء ، اصحاب الرائے اور ماہرین امور مملکت کی شمولیت کو ضروری قرار

دیا (المسایرہ‘ جلد دوم ‘ ص 171) ۔ آٹھویں اور نویں صدی ھجری کے ایک اور مصنف علامہ احمد القلقشندی نے شوریٰ کی رکنیت کے لئے ان اصحاب کو موزوں قرار دیا : 1 ۔ عدالتوں کے ارکان 2 ۔ علماء 3 ۔ حکام اور دیگر قائدین حکومت 4 ۔ زعمائے قوم 5 ۔ وزراء 6 ۔ نیک اور خیر خواہ لوگ (بحوالہ صبح الاعشی ‘ جلد نمبر نہم ‘ ص 334) ۔ اسی قسم کی رائے کا اظہار نویں صدی ھجری کے مشہور فقیہ علامہ شہاب الدین رملی (نہایہ المحتاج ‘ جلد ھفتم ‘ ص 390) نے اور گیارھویں صدی ھجری کے فقیہ علامہ علاؤ الدین حصکفی (درمختار ‘ ج ‘ چہارم ‘ ص 263) نے بھی کیا ۔

3 ۔ موجودہ زمانے میں شوریٰ کی ھیئت ترکیبی

سطور بالا میں جو کچھ بیان کیا گیا اس سے یہ بات بالکل صاف اور واضح ہو گئی کہ مجلس شوریٰ میں ان تمام لوگوں کی شمولیت ضروری ہے جو مطلوبہ اوصاف رکھنے کے ساتھ ساتھ قوم کے معتمد علیہ ہوں ‘ اھل علم ہوں ‘ مختلف امور میں ماھرانہ بصیرت رکھتے ہوں ‘ معاشرے کے مختلف طبقات کی نمائندگی کرتے ہوں اور بحیثیت مجموعی قوم کے سر برآوردہ اصحاب ہوں ۔ جہاں تک موجودہ زمانے کے تقاضوں اور احوال و ظروف کے پیش نظر ان اصحاب کے تعین کا سوال ہے اس پر بھی ماضی قریب کے اھل علم نے گفتگو کی ہے ۔ ھم یہاں علامہ سید جمال الدین افغانی کے شاگرد رشید اور مصر کے سابق مفتی اعظم شیخ محمد عبدہ اور ان کے شاگرد سید رشید رضا کی رائے نقل کرتے ہیں ۔ ان دونوں اصحاب کی رائے میں آج کل مجلس شوریٰ کی ھیئت ترکیبی یہ ہونی چاھیے : 1 ۔ امراء اور حکام 2 ۔ علماء 3 ۔ عسکری امور کے ماھرین 4 ۔ وہ تمام قائدین اور سربرآوردہ اصحاب جن کی طرف سے عموماً لوگ اپنی ضروریات اور ملی مصالح کے لئے رجوع کرتے ہیں مثلاً تجارت ‘ صنعت اور زراعت وغیرہ سے وابستہ اصحاب 5 ۔ محنت کشوں کے رھنما 6 ۔ مختلف تنظیموں کے سربراہ 7 ۔ اھم ملی جرائد کے مالکان و مدیران وغیرہ (تفسیر المنار ‘ جلد پنجم ‘ ص 181 ‘ 187) ۔ ماضی قریب کے ایک اور مصری عالم اور مفکر استاد محمود شلتوت سابق شیخ الازھر کی رائے میں بھی ایسے تمام اھل علم و دانش کو مجلس شوریٰ میں شامل ہونا چاھیے جو زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ماھرانہ رائے اور تجربہ رکھتے ہوں (توجیہات الاسلام ‘ ص 568 ‘ الاسلام عقیدۃ و شریعۃ ‘ ص 451) ۔

4 - ہماری موجودہ اسمبلیوں کے نقائص

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہمارے ہاں ماضی میں جس انداز کی قومی اور صوبائی اسمبلیاں منتخب ہوتی رہیں ہیں ان کو ہم اسلامی روایات کی حامل مجلس شوریٰ کا درجہ نہیں دے سکتے - اس لئے کہ علاوہ ان نقائص اور کمزوروں کے جن کی نشاندھی آئندہ سطور میں کی جا رہی ہے۔ ان میں ایک بڑی خامی یہ بھی ہے کہ ان کے ارکان کے انتخاب میں ان اوصاف و شرائط اور خصوصیات کا کبھی لحاظ نہیں رکھا گیا جن کی مختصر تفصیل اوپر دی گئی ہے - ہمارے ہاں قومی یا صوبائی اسمبلیوں میں اہل علم و دانش اور ماہرین فن کو نمائندگی نہیں دی گئی جس کا نتیجہ ہمیشہ یہ نکلا کہ ان اداروں کے فیصلوں کو نہ تو کبھی دینی اعتبار سے وہ قبول عام حاصل ہوا جو شوریٰ کے فیصلوں کو اسلامی ادوار میں حاصل ہوتا تھا اور نہ ان فیصلوں میں اکثر و بیشتر معاشرے کے تمام طبقوں کے مفادات کو پیش نظر رکھا گیا -

ذیل میں چند ایسے اہم نقائص کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن کا عموماً ہماری اسمبلیاں شکار رہی ہیں -

1 - ہمارے ہاں عموماً بالخصوص قیام پاکستان کے بعد یک رکنی حلقہ ہائے انتخاب کا نظام رائج رہا ہے - ملک کو آبادی کے لحاظ سے اتنے ھی حلقوں میں منقسم کر دیا جاتا ہے جتنی مرکزی اسمبلی کی نشستیں ہوں - یہی کیفیت صوبوں میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب کے سلسلے میں رہی ہے - اس میں شک نہیں کہ یہ نظام نہایت آسان اور عام فہم ہے لیکن اس کی خامیاں اور نقائص قابل غور ہیں - گزشتہ پینتیس چھتیس سال کا مشاہدہ ہے کہ حلقہ ہائے انتخاب کی حد بندی اور تعین کے موقع پر ہمارے ہاں زبردست دھاندلیاں ، رشوتیں ، سفارشیں اور اثرات کام کرتے ہیں - ہر بااثر متوقع امیدوار کی کوشش ہوتی ہے کہ حلقہ انتخاب کی حد بندی اس طرح کی جائے کہ اس کے اپنے مفادات کو تقویت ہو اور ممکنہ مخالفین کے مفادات کو زک پہنچے -

2 - پھر جو اصحاب ان چھوٹے چھوٹے حلقوں سے منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچتے ہیں وہ یہ جانتے ہیں کہ ان کی کامیابی ان کے محدود حلقے کے رائے دھندگان کی مہربانی کی مرہون منت ہے - وہ ان کی اس «مہربانی» کو آئندہ انتخاب میں بھی

یقینی بنانے کے لئے ان کی ھر جائز و ناجائز خواھشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ٠ ان کے حق میں سفارشیں کرتے ہیں اور وھی رکن اسمبلی کامیاب سمجھا جاتا ہے جو اپنے حلقے کے لوگوں کی ضمانتیں کرا سکے - ان کو ملازمتیں دلا سکے اور ان کے چھوٹے موٹے کام کرا سکے - اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک رکن اسمبلی جس کا کام قومی مصالح کی نگہداشت اور اھم ملی معاملات میں فیصلے کرنا اور قوم کی رھنمائی کرنا ہوتا ہے ان چھوٹے چھوٹے لا یعنی کاموں میں الجھ کر رہ جاتا ہے - اور اب تو صورت حال یہاں تک خراب ہو گئی ہے کہ عام لوگوں کے ذھن میں یہ بات قریب راسخ ہو گئی ہے کہ ان کی نمائندگی کرنے کے لئے وھی شخص موزوں ہے جو ھر جائز و ناجائز کام میں ان کے آگے پیچھے پھر سکے -

3 - اس صورت حال کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمارے ارکان اسمبلی شاذ و ناذر ھی معاملات پر قومی اور ملی نقطہ نظر سے غور کرتے ہیں ٠ بلکہ ان کا ذھن ھر وقت ان کے علاقائی اور حلقہ واری مفادات کے تحفظ پر غور کرتا رہتا ہے اور جو کام دراصل مقامی اداروں اور میونسپل کارپوریشن کے ارکان کے کرنے کا ہے وہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کرتے رہتے ہیں - اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر ارکان کی سرے سے اھم قومی مسائل پر کوئی رائے ھی نہیں ہوتی - وہ خالی الذھن ہو کر اسمبلیوں میں جاتے ہیں اور پھر اگر وہ کسی پارٹی کے رکن ہیں تو بالعموم بلا سوچے پارٹی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور اگر وہ آزاد رکن ہیں تو عام طور پر اس گروہ کا ساتھ دیتے ہیں جس کا ساتھ دینے سے ان کے شخصی مفادات پورے ہو سکیں - یہ مفادات لائسنسوں کے حصول سے لے کر مستقبل میں لیڈری پکی کرنے تک ہو سکتے ہیں -

4 - ہماری گزشتہ چھتیس سالہ سیاسی و دستوری تاریخ کا ایک مشاھدہ یہ بھی ہے کہ مختلف خاندانوں نے مختلف حلقوں میں اپنے اثرات جما رکھے ہیں جہاں ان کے شخصی اور خاندانی مفادات موجود ہیں - یہ لوگ اپنی برادریوں ٠ جاگیرداریوں ٠ کارخانوں یا ایسے ھی عوامل کی بنا پر اپنی اپنی نشستیں پکی کر لیتے ہیں - باپ کے بعد بیٹا اور بھائی انتخاب لڑتے ہیں اور کامیاب ہو جاتے ہیں - ملک میں کوئی پارٹی برسر اقتدار ہو ٠ کوئی نظام رائج ہو ٠ یہ اصحاب اس سے مستفید ہوتے رہتے ہیں ٠ بلکہ اگر کسی خاندان یا برادری کے حلقہ اثر میں ایک سے زائد حلقہ انتخاب ہوں تو پھر خاندان کا

ایک رکن ایک پارٹی میں اور دوسرا دوسری پارٹی میں شامل ہو جاتا ہے اور ہر پارٹی کی کامیابی کی صورت میں خاندانی مفادات محفوظ رہتے ہیں۔

5۔ جو اصحاب اس طرح کی اجارہ داریاں قائم کر لیتے ہیں وہ پھر مختلف سیاسی جماعتوں سے سودے بازیاں کرتے ہیں اور جو پارٹی ان کے اثرات کی جتنی زیادہ قیمت لگائے اس سے معاملہ کر لیتے ہیں۔ اس طرح اپنے مفادات اور اجارہ داریوں کو مزید پختہ کرتے رہتے ہیں۔

6۔ چونکہ اسمبلیوں میں یہی اصحاب عام طور پر اکثریت کے حامل رہے ہیں، اس لئے مشاہدہ یہ رہا ہے کہ ملک میں پارلیمانی جمہوریت ہو، صدارتی جمہوریت ہو یا بنیادی جمہوریت ہو، عام آدمی کی حالت اور ملک کے عام نظم و نسق میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ کرتا دھرتا یہی با اثر اجارہ دار رہتے ہیں۔ جن کے مضبوط حلقہ ہائے اثر فوج اور بیوروکریسی میں موجود رہتے ہیں۔

7۔ **اسمبلیوں میں عام طور پر اصحاب علم و دانش اور ماہرین فن کی عدم موجودگی** بھی ایک اہم نقص ہے جو ہمارے ہاں رہا ہے۔ اس کا ایک سبب تو وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرا سبب یہ رہا کہ ایک ایسی صورت حال میں جہاں ایک طرف اس طرح کی اجارہ داریاں اور دوسری طرف بدترین قسم کی جتھہ بندیاں موجود رہی ہوں اوّل تو کسی سنجیدہ، پڑھے لکھے ماہر فن کی کبھی ہمت ھی نہیں ہوتی کہ وہ افراتفری اور پارٹی بازی کے اس اکھاڑے میں اتر کر اپنی پگڑی اچھلوائے۔ دوسرے اگر کسی باھمت نے کبھی ہمت کی بھی تو اسکا نتیجہ بدترین ناکامی کی صورت میں نکلا۔ 1970ء کے عام انتخابات میں اس کی بہت سی مثالیں دیکھنے میں آئیں۔ یہ انتخابات دوسرے تمام ملکی انتخابات کے مقابلے میں خاصے غیر جانب دارانہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود پاکستان کے ایک مایۂ ناز قانون دان، فلسفی، ماہر دستوریات اور مفکر کی ضمانت ضبط ہو گئی اور جیسے لوگ کامیاب ہوئے وہ سب کے سامنے ہیں۔

8۔ اس ساری صورت حال کو جو چیز مزید خراب اور بدنما بنا دیتی ہے وہ ہمارا رائج الوقت پارٹی سسٹم ہے۔ یہاں یہ سوال قطعاً بے محل ہے کہ اسلام میں سیاسی اصلاح اور معاشرتی فلاح کے لئے اجتماعی جد و جہد مستحسن ہے یا نہیں۔ سوال موجودہ پارٹی سسٹم کے ناپسندیدہ ہونے یا نہ ہونے کا ہے۔ اس امر میں تو کوئی

شک و شبہ نہیں کہ جماعتی انتخابات کا نظام ہمارے ملک میں مغرب کے رائج الوقت سیاسی تصورات اور بالخصوص برطانیہ کے زیر اثر آیا ہے ۔ تاریخ اسلام میں حصول اقتدار کے لئے اس نوع کی جتھہ بندی کی کوئی مثال نہیں ملتی جہاں مسلمانوں نے مسلمانوں کے خلاف طنز و تشنیع اور بہتان طرازی ' گالم گلوچ ' بلکہ مار پیٹ اور قتل و غارت تک کے حربے استعمال کر کے حصول اقتدار کی سعی کی ہو اور اس کو کبھی پسندیدہ یا جائز سمجھا ہو ۔ ظاہر ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے اس صورت حال کو کسی طرح بھی قابل قبول قرار نہیں دیا جا سکتا ۔

5 ۔ جماعتی اور غیر جماعتی انتخابات

اس پس منظر میں کمیشن نے نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ اس پر غور کیا کہ اسلامی نقطہ نظر سے سیاسی پارٹیوں کی بنیاد پر انتخابات کی کیا حیثیت ہے ؟ اگر رائج الوقت انداز کی سیاسی پارٹیوں کا وجود اسلام کے نقطہ نظر سے درست ہے تو کن حدود و قیود کے ساتھ اور غلط ہے تو کن اسباب و وجوہ کی بناء پر ۔ ہمارے ملک میں گزشتہ چند ماہ میں اس موضوع پر خاصی بحث و تمحیص ہوتی ہے اور اخبارات میں بھی بہت سے مضامین آتے رہے ہیں ۔ مختلف اصحاب نے پارٹی سسٹم کے حق یا مخالفت میں اپنا اپنا نقطہ نظر پیش کیا ۔ جو اصحاب پارٹی سسٹم کے حق میں ہیں ان کی رائے میں کسی جماعت یا تنظیم کی تشکیل پر پابندی ایک طرف اقوام متحدہ کے اعلان حقوق انسانی سے متصادم ہے جس پر پاکستان کے بھی دستخط ہیں ۔ دوسری طرف خود دستور پاکستان میں ایک بنیادی حق کے طور پر تنظیم سازی کی اجازت دی گئی ہے ۔ اس نقطہ نظر کی تائید میں عموماً جو دلائل دیے جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں ۔

1 ۔ قرآن مجید اور سنت رسول میں کوئی ایسا صریح حکم نہیں جس کی رو سے کسی تنظیم کی تشکیل یا جماعت سازی کو حرام یا ممنوع قرار دیا جا سکے ۔

2 ۔ سیاسی جماعتیں برصغیر میں آزادی سے قبل بھی موجود تھیں اور آج بھی دنیا بھر میں موجود ہیں ۔ خود پاکستان کی تاسیس ایک سیاسی جماعت کا کارنامہ ہے ۔

3 ۔ ملک کو بعض آمرانہ حکومتوں سے نجات دلانے کا سہرا بھی سیاسی جماعتوں کے سر ہے ۔

4 ۔ ملک کو لسانی ، علاقائی ، نسلی اور فرقہ وارانہ تعصبات سے ملک گیر سیاسی جماعتیں ھی نجات دلا سکتی ہیں ۔

5 ۔ ملک گیر جماعتیں نہ ہوں تو رائے عامہ کی تشکیل اور عوام کی سیاسی تربیت کا کام مشکل ہو جاتا ہے ۔

6 ۔ ملک میں اس سے قبل 1962ء کے دستور میں غیر جماعتی نظام کا تجربہ کیا جا چکا ہے ۔ جو ناکام رہا اور بالآخر سیاسی جماعتوں کا قانون بنا کر سیاسی جماعتوں کا احیاء کرنا پڑا ۔

7 ۔ پھر اگر دو ایک یا چند سیاسی جماعتوں کی کارکردگی تسلی بخش نہیں رھی تو آخر دوسری سیاسی جماعتوں کو کیسے اور کس منطق کے تحت ختم کر دیا جائے ۔

8 ۔ علاوہ ازیں جو سیاسی جماعتیں عوام کے اعتماد پر پوری اترتی ہوں گی وھی قرآنی قاعدہ "اماما ینفع الناس فیمکث فی الارس" (الرعد : 17) کے مطابق باقی رہیں گی اور جو اس اعتماد سے محروم ہو جائیں گی وہ خود ختم ہو جائیں گی ۔

کمیشن نے ان دلائل پر تفصیل سے غور و خوص کیا اور بالآخر یہ طے کیا کہ جہاں تک دینی اور معاشرتی تنظیموں ، فلاح و بہبود کے اداروں اور دینی و سیاسی شعور کی بے لوث تربیت کرنے والی جماعتوں کا تعلق ہے وہ باقی رہیں اور رائے عامہ کی تربیت کے ساتھ ساتھ علاقائی ، لسانی ، نسلی اور فرقہ وارانہ تعصبات کو ختم کرنے اور دینی شعور کو اجاگر کرنے کے لئے کام کرتی رہیں ۔ رہ گئے سیاسی پارٹی سسٹم کی بنیاد پر انتخابات ، تو ان سے اس قدر نقائص،قباحتیں اور مفاسد پیدا ہوتے ہیں کہ کمیشن یہ محسوس کرتا ہے کہ اسلامی شریعت کے اصول سد ذریعہ کے تحت پارٹی سسٹم پر انتخابات کے نظام کو ختم کر کے غیر جماعتی طریقہ انتخاب کو اختیار کیا جائے ۔ ذیل میں چند ایسے نقائص کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو جماعتی طریقہ

انتخاب کا لازمی نتیجہ ہیں اور ہر ایسے نظام میں پیدا ہوتے ہیں جس کی بنیاد پارٹی سسٹم پر ہو۔

6۔ پارٹی سسٹم کے نقائص

قبل اس کے پاکستان کے تجربے کی روشنی میں پارٹی سسٹم کی خرابیوں اور قباحتوں پر گفتگو کی جائے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہاں پارٹی کی اصطلاح سے مراد عام اجتماعی تنظیمیں ، انجمنیں یا ادارے نہیں ، بلکہ صرف وہ سیاسی تنظیمیں مراد ہیں جو ہمارے ہاں مغربی تصورات کے زیر اثر پیدا ہوئی ہیں اور مغربی روایات کے مطابق کسی منشور یا معین پروگرام کے نام پر حصول اقتدار کی طالب ہوتی ہیں۔ موجودہ سیاق و سباق میں سیاسی پارٹی سے مراد وہ مجموعہ افراد ہے جو سیاسی مقاصد کے اتحاد و اشتراک کی بناء پر وجود میں آئے۔ اور اجتماعی کوشش کے ذریعے سیاسی اقتدار کا طالب اور اس کے حصول کے لئے کوشاں ہو۔ لہذا ایک سیاسی پارٹی وہ ہے جو ان تینوں اوصاف کی حامل ہو:-

1۔ معین اور مشترک مقاصد رکھنے کا دعویٰ
2۔ گروہ بندی
3۔ حصول اقتدار کی اجتماعی طلب اور کوشش

مغرب کے نمائندہ سیاسی مفکرین مثلاً گلکرائنسٹ ، منرو ، لی کاک ، لارڈ برائس اور میک آئیور وغیرہ نے سیاسی جماعت کی قریب قریب یہی تعریف کی ہے ، چونکہ یہ چیز دراصل مغرب میں پیدا ہوئی اور وہیں سے مشرقی ممالک میں درآمد ہوئی ہے۔ اس لئے اس کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لئے مغربی مفکرین ھی کی رائے مستند سمجھی جانی چاہیے۔ اگرچہ مغربی علم سیاسیات کی درسی کتابوں میں سیاسی پارٹی کی جو تعریفیں کی گئی ہیں ان میں مشترک سیاسی نصب العین اور یکساں سیاسی خیالات و نظریات کو بنائے تنظیم اور سیاسی جماعتوں کی تشکیل کا اولین محرک بتایا جاتا ہے۔ لیکن عملاً منفعتوں اور مفادات کا حصول بھی مختلف سیاسی جماعتوں کے قیام اور سرگرمی کا ایک اہم محرک ہوتا ہے۔ بعض اوقات طے شدہ منشوروں اور بلند بانگ سیاسی اعلانات محض مصنوعی اور برائے نام ہوتے ہیں۔ اور اصل اھمیت حصول اقتدار اور در پردہ مادی مفادات کے تحفظ کو حاصل ہوتی ہے۔

یہ ہے اہل مغرب کے ہاں سیاسی پارٹی کا تصور۔ ہم نے کچھ کو محض مغرب کی نقالی کے شوق میں اور مرعوبیت کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ دور غلامی میں ہم اس نظام سے متعارف اور مانوس ہو گئے تھے اور اس کے ان نقائص ' خرابیوں اور قباحتوں سے صرف نظر کر کے جو اس سے پیدا ہوتی ہیں فوری طور پر کوئی متبادل نظام قائم کر لینا ایسا آسان نہ تھا ۔ بہر حال مغربی انداز کی پارٹی بازی کو اپنا لینے سے جو قباحتیں ایک اسلامی مملکت میں پیدا ہوتی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں :۔

1 ۔ ارکان شوریٰ کے مابین وہ اتفاق و اتحاد اور فکری یک جہتی اور نظریاتی ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکتی جو اسلامی تعلیمات کا تقاضا اور ہماری شورائی روایات کا طرہ امتیاز ہے۔یہ نظام ارکان شوریٰ کو پہلے ہی دن سے حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے دو متحارب اور غیر اسلامی کیمپوں میں تقسیم کر دیتا ہے ۔ اسلامی روایات تو یہ ہیں کہ اگر حکمران راہ راست پر چلے تو ساری قوم اس کی پارٹی ہو کر اس کا ساتھ دے اور اگر وہ راہ راست سے بھٹکے تو ساری قوم حزب اختلاف ہو کر اس کو روکنے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کرے اسلام کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ احکام شریعت کا نفاذ ساری قوم کی ذمہ داری ہے اور حکمران اس کے وکیل کی حیثیت سے وہ ذمہ داریاں اپنے سر لیتا ہے جو ساری قوم براہ راست انجام نہیں دے سکتی ۔ یہاں قوم کی حیثیت مؤکل کی اور حکمران کی حیثیت وکیل کی ہے ۔ ارباب حل و عقد اور ارکان شوریٰ ساری قوم کے نمائندے اور وکیل ہیں ' محض حزب اقتدار یا حزب اختلاف کے نہیں ۔ اور سربراہ ساری قوم کا سربراہ ہے ۔ کسی پارٹی کا نہیں ۔

2 ۔ شوریٰ کا بنیادی مقصد امور مملکت کی انجام دہی میں معاونت اور نگرانی کرنا اور امیر مملکت کو مخلصانہ مشورے دینا ہے ۔ سواد کی زمینوں کے مسئلے پر جب مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا تو حضرت عمر نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا تھا کہ میں نے آپ حضرات کو اس لئے زحمت دی ہے کہ آپ اس امانت کی ذمہ داری کی انجام دہی میں میری مدد کریں ۔ جو میرے کاندھوں پر ڈال دی گئی ہیں ۔ (کتاب اخراج ' امام ابو یوسف ' بسلسہ تقسیم ارض سواد) آج کل اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ ارکان شوریٰ اپنی اپنی رائے کا آزادانہ اور مخلصانہ اظہار کریں اور ہر رکن اپنے فہم اور اپنے ضمیر کے مطابق جو بات ملک و ملت کے بہترین مفاد میں سمجھتا ہو اس کا برملا اور بلا خوف لومۃ لائم اظہار کر دے ۔ لیکن یہ بات مروجہ پارٹی سسٹم

کے تحت عملاً ناممکن ہوتی ہے ۔ ہر رکن پارٹی ڈسپلن کا پابند ہوتا ہے اور پارٹی لیڈر اور ہائی کمان کے فیصلوں پر بلا چون و چرا ہاتھ اٹھا دیتا ہے ۔ ہر پارٹی کا ایک داروغہ (Chief Whip) ہوتا ہے جو اس کے ارکان کو قابو میں رکھتا ہے اور جب پارٹی کے حق میں رائے دلوانے کی ضرورت ہوتی ہے تو اراکین کو گھیر گھار کر لاتا ہے اور ہاتھ اٹھوا دیتا ہے ۔ ایسے مناظر بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ تائید یا تردید میں رائے دینے کے بعد بھی ارکان کو پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے کس رائے کی تائید یا مخالفت میں ہاتھ اٹھائے تھے ۔ یہ بات اسلام کی تعلیم خیر خواہی اور مشورہ کے ایک نازک امانت ہونے کے تصور سے صراحتاً متصادم ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد ہے کہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ ایسا ہے جیسے اس کے پاس کوئی امانت رکھی گئی ہو ۔ لہذا جس سے مشورہ لیا جائے وہ اسی اخلاص اور خیر خواہی سے مشورہ دے جیسا کہ اپنی ذات کے لئے اخلاص اور خیر خواہی سے کام کرتا ہے ۔

3 ۔ حزب اقتدار کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہر طرح حزب اختلاف کو دبائے ، جھکائے ، بد نام کرے بلکہ ممکن ہو تو اسے مٹا دے ۔ اس میں کردار کشی سے لے کر افراد کشی تک نوبت آتی ہے ۔ ان مناظر کی بہت سی درد ناک مثالیں اہل پاکستان کو یاد ہیں ۔

4 ۔ اس کے برعکس حزب اختلاف کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہر ہتھکنڈے سے کام لے کر حزب اقتدار کو عوام کی نظروں سے گرائے اور بالآخر حکومت کو بے دخل کر کے دم لے ۔ چاہے اس میں ملک و ملت کے لئے کتنے ہی خطرات پوشیدہ ہوں ۔

5 ۔ ملک کے عوام کو مختلف سیاسی پارٹیاں اس طرح سے مشتعل اور غضب ناک کرنے کی کوشش کرتی ہیں کہ ملک عملاً مختلف متحارب کیمپوں میں تقسیم ہو جاتا ہے ۔ 1970ء اور 1971ء میں مشرقی پاکستان میں اور 1977ء میں مغربی پاکستان میں جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایک اسلامی ملک کے برادر مسلم شہری نہیں ہیں ، بلکہ دو دشمن فوجوں کے سپاہی ہیں جو ایک دوسرے کا خون پینے کے لئے بے چین ہیں یہ صورت حال امت واحدہ اور اس کے بنیان مرصوص ہونے کے حکم سے سراسر متصادم ہے ۔

6 - پھر جب ایک اسلامی ریاست کے مقاصد فی الجملہ طے ہیں ' قوم کے اجتماعی اهداف و مقاصد معین ہیں اور ملک و ملت کا نصب العین ایک ہے تو پھر الگ الگ سیاسی پارٹیوں کے منظم ہو کر حصول اقتدار کے لئے باهم دست و گریباں ہونے کا کیا جواز ہے - محض جزوی اور فروعی اختلاف کی صورت میں پارٹی منظم کرنے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہو گا کہ قوم کے اجتماعی اهداف اور بنیادی مقاصد پس منظر میں چلے جائیں اور جزوی مسائل اور فروعی اختلافات ابھر کر سامنے آ جائیں اور بالآخر بنیادی مسائل بن کر لاینحل ہو جائیں گے - ایک اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ قوم کے سیاسی ' معاشی اور خارجہ امور میں اصل فیصلے کرنے کا کام کلی طور پر افسر شاهی کے حوالے ہو جائے جس سے ملکی اور قومی امور میں نمائندہ قیادت بے اثر اور بیورو کریسی کی محتاج ہو کر رہ جائے - مغرب میں چونکہ سیکولر نظام رائج ہے اور حاکمیت عوام کے عقیدے پر ریاستیں قائم ہوتی ہیں اس لئے وہاں نہ کوئی طے شدہ اور متعین اجتماعی مقاصد ہیں اور نہ کوئی متفق علیہ نصب العین ہے - وہاں روز روز نئے نئے نظریات پیدا ہوتے ہیں اور آئے دن نئی اخلاقیات جنم لیتی ہیں اس لئے وہاں تو اس کی گنجائش ہے کہ مختلف نظریات کی حامل جماعتیں قائم ہوں اور اپنے حق میں رائے عامہ ہموار کریں - اگر آج وہاں عوام شراب اور بعض غیر اخلاقی حرکتوں کو حرام کرنا چاھتے ہیں تو یہ چیزیں حرام پاتی ہیں - کل اگر کوئی پارٹی شراب کے جواز کے نعرے کو اپنا لے اور اس کی کوششوں سے عوام شراب کو حلال کرنے پر تل جائیں تو وہ حلال ہو جاتی ہے - ظاهر ہے کہ اسلامی ریاست میں اس قسم کی نظریاتی تبدیلیوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے -

7 - پارٹی بازی کے نتیجہ میں ہمارے ہاں اسلامی احکام کی جس طرح خلاف ورزی ہوتی ہے اور جن غیر اخلاقی اور غیر اسلامی حرکتوں کا ارتکاب ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہیں اسلام میں حکم ہے کہ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ - (لایسخر قوم من قوم : کوئی گروہ کسی گروہ سے تمسخر نہ کرے) مگر وہاں پارٹی بازی میں کوئی سیاسی بیان یا انتخابی تقریر دوسرے کے تمسخر اور استہزاء سے خالی نہیں ہوتی - یہاں حکم ہے کہ ایک دوسرے پر لعن طعن نہ کرو (ولا تلمزوا انفسکم : اور آپس میں ایک دوسرے پر طنز و تشنیع نہ کرو ' نیز لیس المومن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی : مسلمان نہ طعن و تشنیع کرنے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا

نہ فحش گوئی کرنے والا اور نہ بد گو) وہاں کوئی دن طعن و تشنیع سے خالی نہیں جاتا - یہاں حکم ہے کہ برے القاب سے یاد نہ کرو (ولا تنابزو ا بالالقاب: اور ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو) - وہاں سیاسی زعماء ایک دوسرے کو نت نئے اور دل آزار القاب سے نوازتے ہیں ' یہاں بدگمانی سے بچنے کا حکم ہے - (اجتنبو کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم : بہت سی بد گمانیوں سے بچو ' بعض بد گمانیاں گناہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں -) وہاں دارو مدار ھی بد گمانیاں پھیلانے پر ہے - یہاں تجسس کی ممانعت ہے (ولا تجسسوا : اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو) وہاں باقاعدہ اس کام کے ادارے قائم ہوتے ہیں کہ دوسروں کی ٹوہ لگائی جائے - یہاں غیبت کرنا حرام ہے (ولا یغتب بعضکم بعضا : اور تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے) وہاں غیبت کے بغیر سرے سے بات ھی نہیں بنتی - یہاں تعلیم یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وھی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے (لا یومن احد کم حتی یحب لا خیہ ما یحب لنفسہ : تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وھی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے -) وہاں اصول یہ ہے کہ ھر خیر اپنی پارٹی کے لئے اور ھر شر دوسری پارٹیوں کے لئے حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو - یہاں یہ سکھایا گیا ہے کہ حق بات کو جہاں سے بھی ملے قبول کر لو اور باطل جہاں سے بھی آئے اسے رد کر دو (اقبل الحق ممن اتاک صغیرا اوکبیرا وان کان بغیضا واردد الباطل علی من جاء بہ من صغیر او کبیر وان کان حبیبا قریباً : حق بات کو قبول کرلو ھر اس شخص سے جو تمہارے پاس آئے چاھے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ' چاھے وہ تمہیں ناپسند ھی کیوں نہ ہو ' اور غلط بات کو اس کے لانے والے کے منہ پر رد کر دو چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا ' چاھے وہ کوئی دوست اور محبوب ھی ہو) وہاں تربیت ھی شروع سے یہ دی جاتی ہے کہ میری پارٹی غلط ہو یا صحیح - غرض کہ بے شمار اسلامی احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے - قرآن مجید کی بہت سی آیات اور لا تعداد احادیث میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کی توھین کرنے ' دل آزاری کرنے ' نقصان پہنچانے ' غیبت کرنے اور تکلیف دینے سے منع کیا گیا ہے - مسلمان کی تو صفت ھی یہ ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں ایک جگہ صاف ارشاد ہے کہ مسلمانوں کو گالی دینا فسق اور ان کے خلاف لڑنا کفر ہے - ان میں سے کون سا حکم ہے کہ جس کی بھرپور خلاف ورزی ہمارے ہاں پارٹی بازی کے نتیجہ میں نہیں ہوتی ؟

8 - پھر جب ایک پارٹی کا بنیادی مطمع نظر ھی حصول اقتدار ہو تو پھر وہ شعوری اور لاشعوری طور پر ہر طرح یہ کوشش کرتی ہے کہ ان تمام عوامل کو استعمال کرے جو اس کو اقتدار میں لانے میں مدد گار ثابت ہوں - اس کے لئے علاقائی ' لسانی ' قبائلی ' فرقہ وارانہ غرض ھر طرح کے تعصبات کو ابھارا اور ان سے کام لیا جاتا ہے - جس پارٹی کو جس علاقے میں ' جس زبان بولنے والوں میں ' جس قبیلے میں اور جس مذھبی فرقے میں مقبولیت حاصل ہونے کی توقع ہوتی ہے وہ اس طرح اس کے متعصبانہ جذبات کی آگ کو بھڑکاتی ہے کہ بعض اوقات سارا نشیمن ھی پھونک ڈالتی ہے -

9 - پارٹیاں اگر دو سے زائد ہوں اور کوئی پارٹی بہت مؤثر حیثیت نہ رکھتی ہو تو ایک اضافی قباحت یہ پیدا ہوتی ہے کہ اقلیت حکمران اور اکثریت محکوم بن جاتی ہے - 1970ء کے انتخابات اس کی روشن مثال ہیں - دوسرے ممالک کے اعداد و شمار سے بھی ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں -

10 - اگر پارٹیاں مل کر مخلوط حکومت قائم کریں تو اس صورت میں جس وسیع پیمانے پر سودے بازی ' جوڑ توڑ ' اندرون خانہ سازشیں اور مفادات کا باھمی تحفظ ہوتا ہے وہ ملک و ملت کے مفاد کو غارت کر کے رکھ دیتا ہے - یا تو روز روز حکومتیں بنتی اور بگڑتی ہیں اور ملک کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جاتا ہے اور یا پھر رشوت کا بازار گرم ہوتا ہے اور ہر رکن اپنی حمایت کی منہ مانگی قیمت وصول کرتا ہے -

11 - مزید برآں پس ماندہ ممالک میں جہاں تعلیم کم اور افلاس زیادہ ہے بہت سی سیاسی جماعتیں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے ایسے معاشی وعدے کرتی اور نعرے لگاتی ہیں جو ملکی وسائل اور انتظامی لحاظ سے ناممکن العمل ہوتے ہیں جن ممالک کے لوگ تعلیم یافتہ اور با شعور ہیں وہاں کے عوام اس فریب میں نہیں آتے - لیکن جن ممالک میں تعلیم اور سیاسی شعور بہت کم ہے عوام بہت جلد ان سطحی نعروں سے متاثر ہو جاتے ہیں - پھر جب یہ جماعتیں کسی نہ کسی طرح انتخاب جیت لیتی ہیں اور اپنے وعدوں کو پورا نہیں کر پاتیں تو لوگوں میں بے اطمینانی اور سیاسی جماعتوں پر سے عدم اعتماد پیدا ہوتا ہے جو بڑھتے بڑھتے عوامی احتجاج کی شکل اختیار کر لیتا ہے - یہ صورت حال پس ماندہ ممالک میں نہ صرف ملکی سیاست کے لئے مضر ہے ' بلکہ اس کے استحکام اور ترقیاتی تقاضوں کے لئے بھی نقصان دہ ہے -

12 ۔ سیاسی جماعتوں کا بڑا مقصد چونکہ عوامی تائید حاصل کرنا ہوتا ہے اور وہ جانتی ہیں کہ عوام اپنے روشن مستقبل کے لئے طویل عرصے تک صبر سے کام نہیں لے سکتے اس لئے برسر اقتدار جماعت دوسری مرتبہ بھی لوگوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے قلیل المیعاد معاشی مفادات کی تکمیل کا مقصد پیش نظر رکھتی ہے ۔ اور اس سے ملک کا طویل المیعاد معاشی مفاد جو دراصل زیادہ مقدم اور زیادہ مفید ہوتا ہے بری طرح متاثر ہوتا ہے ۔

13 ۔ ترقی پذیر ممالک میں ایک اور قباحت یہ ہے کہ یہاں کی آبادی کی طرح سیاسی جماعتوں کے پاس بھی مادی وسائل کی کمی ہوتی ہے اور اس وجہ سے اعلیٰ صلاحیت کے افراد اور سیاسی رہنمائی کے باقاعدہ ادارے میسر نہیں ہوتے ' اس لئے اکثر اوقات مفاد پرست بیرونی طاقتیں ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتی ہیں اور بہی خواہی اور دوستی کے پردے میں ان کو طرح طرح کی مادی ' سیاسی اور مشاورتی امداد دے کر ان سے اپنے مفادات کی تکمیل کراتی ہیں ۔ بعض اوقات سیاسی جماعتوں سے وابستہ افراد اپنی کمزوریوں کی وجہ سے بلیک میل بھی ہوتے رہتے ہیں ۔

بہر حال پارٹی سسٹم کی یہی نہیں اور بھی بے شمار خرابیاں ہیں ۔ انہی کے پیش نظر بہت سے بالغ نظر مفکرین اور اہل علم نے پارٹیوں کے وجود کو اسلام کے سیاسی نظام کے لئے سم قاتل کے مترادف قرار دیا ہے ۔ پارٹی سسٹم کی خرابیوں کی نشاندھی ماضی قریب کے متعدد نامور اہل علم کرتے رہے ہیں ۔ ان میں مصر کے استاذ حسن البناء شہید ' پاکستان کے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی ' جسٹس حمود الرحمٰن اور دیگر ممتاز اہل علم ' مفکرین اور ماہرین دستوریات شامل ہیں ۔

بعض اصحاب کی طرف سے بار بار اس خیال کا اظہار کیا جاتا ہے کہ خود پاکستان کی تاسیس ایک سیاسی جماعت کا کارنامہ ہے ' لہذا سیاسی جماعتوں کا وجود ملک کے سیاسی نظام کے تسلسل کے لئے ضروری ہے ۔ لیکن یہ اصحاب اس امر کونظر انداز کر دیتے ہیں کہ مسلم لیگ کی جد و جہد کا محور دو غیر مسلم مخالف طاقتوں کے مقابلہ میں مسلم قوم کے حقوق کی حفاظت تھی ' مسلمانوں کے مابین تفریق و اختلاف پیدا کر کے حصول اقتدار مسلم لیگ کا مقصود نہیں تھا لہذا یہ قیاس مع الفارق ہے ۔ آج بھی جہاں جہاں مسلمانوں کو یہ صورت حال در پیش ہو وہ اپنی بقا اور تحفظ کے لئے مناسب اجتماعی جد و جہد کر سکتے ہیں ' بلکہ ایسا کرنا

مستحسن اور بعض حالات میں واجب ہے - لیکن ایک اسلامی مملکت میں جہاں سب کا منشا قرآن و سنت کی بالا دستی ہو وہاں حصول اقتدار کے لئے جھتے بنا کر مسلمانوں کے مابین کشمکش اور تفریق و تشتت برپا کرنا بالکل مختلف چیز ہے -

انہی سب اسباب کی بنا پر اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اپنی رپورٹ میں یہ قرار دیا ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں سیاسی پارٹیوں کی بنیاد پر انتخابات ناجائز ہیں -

7 - پارٹی سسٹم کی بابت کمیشن کی رائے

کمیشن نے مندرجہ بالا تمام امور پر غور کرنے کے بعد طے کیا کہ پاکستان کے لئے جماعتی طریقہ انتخاب نہایت مضر اور نقصان دہ ہے لہذا ہر سطح کے انتخابات غیر جماعتی طریقہ کے مطابق ہونے چاہئیں - اس ضمن میں بعض ارکان کی رائے تھی کہ اسلام میں سیاسی جماعتوں کا وجود سرے سے ناجائز اور حرام ہے ' اور بعض دوسرے ارکان کی رائے تھی کہ اگرچہ خود سیاسی جماعتوں کا وجود تو اسلام میں حرام نہیں لیکن ان سے جو مفاسد اور نقصانات پیدا ہوتے ہیں اس کے پیش نظر اسلامی قانون کے اصول سد ذریعہ کا تقاضہ ہے کہ جماعتی طریقہ انتخاب کو ممنوع قرار دیا جائے - سد ذریعہ کے اصول کے تحت شریعت اسلامی ہر اس کام کو چاہے وہ خود اپنی جگہ جائز اور مستحسن ھی ہو حرام قرار دے دیتی ہے جو کسی بڑے نقصان ' ضرر ' فساد یا فتنہ کا ذریعہ اور سبب بنتا ہو - اس رائے سے کمیشن کے صرف ایک فاضل رکن نے اختلاف کیا ہے جن کا اختلافی نوٹ منسلک ہے -

8 - طریق انتخاب

ان نقائص اور خرابیوں کے پیش نظر جو ہمارے موجودہ طرز انتخاب اور اسمبلیوں کی ہیئت ترکیبی میں پائی جاتی ہیں کمیشن نے طرز انتخاب کے مسئلے پر تفصیل سے تبادلہ خیال کیا - ارکان میں عموماً اس امر پر اتفاق رائے تھا کہ ایک رکنی حلقہ ہائے انتخاب کا موجودہ نظام بہت سی خرابیوں کا سبب بن رہا ہے - لیکن اس امر پر اتفاق نہیں ہو سکا کہ متبادل طریقہ کار کیا اختیار کیا جائے - کمیشن نے متبادل طریقہ انتخاب پر غور کرنے کے لئے جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اور

جناب ڈاکٹر منیر الدین چغتائی پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے سپرد ایک متبادل طریقہ انتخاب تجویز کرنے کا کام ہوا ۔ کمیٹی نے حسب ذیل رائے دی :

«پاکستان میں انتخابات شروع سے یک رکنی حلقہ ہائے انتخاب کے ذریعے ہوتے رہے ہیں اس طریق انتخاب میں اس بات کی کوئی پابندی نہیں رہی کہ انتخاب میں حصہ لینے والے امیدواروں کی تعداد کتنی ہو ۔ ایک حلقے سے کئی کئی امیدوار کھڑے ہوئے اور ان سب میں مقابلے کے بعد جس امیدوار نے ووٹوں کی اضافی اکثریت (Relative majority) حاصل کر لی اسے منتخب قرار دے دیا گیا ۔ مثال کے طور پر کسی ایک حلقہ انتخاب میں جو کل ووٹ ڈالے گئے ان کی تعداد 20000 تھی ۔ اس حلقے میں پانچ امیدواروں نے انتخاب میں حصہ لیا اور بالترتیب پانچ ہزار ' چھ ہزار ' چار ہزار ' تین ہزار اور دو ہزار ووٹ حاصل کئے ۔ جس امیدوار نے چھ ہزار ووٹ حاصل کیے اسے منتخب قرار دے دیا گیا ' حالانکہ اس کے مخالفین نے مجموعی طور پر چودہ ہزار ووٹ حاصل کیے ۔ اس طرح کامیاب امید وار اپنے حلقے میں محض اقلیت کا نمائندہ ہوا ۔ »

«پاکستان میں 1970ء کے انتخابات میں جس جماعت نے قومی اسمبلی میں نشستوں کی اکثریت حاصل کی اسے ملک میں ووٹوں کی اکثریت حاصل نہیں تھی ' چنانچہ عوامی لیگ کو قومی اسمبلی کے انتخابات کے موقع پر ڈالے گئے ووٹوں میں سے صرف 39 فی صد ووٹ حاصل ہوئے ۔ لیکن اس نے اسمبلی کی 300 نشستوں میں سے 160 نشستیں حاصل کر لیں جو کل نشستوں کا 53 فی صد تھیں ۔ دوسرے الفاظ میں اس کے باوجود کہ عوامی لیگ ووٹروں کی اقلیت کی نمائندگی کرتی تھی ' اسے قومی اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل ہو گئی ۔»

«یک رکنی حلقہ ہائے انتخاب کا نظام ان ممالک میں مناسب اور کامیاب رہتا ہے جہاں دو جماعتی نظام موجود ہو ۔ جیسا کہ انگلستان اور امریکہ میں ہے ۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایسے ممالک میں بھی برسر اقتدار آنے والا گروہ ہر بار ووٹروں کی اکثریت کی نمائندگی کرتا ہو ۔ ایسے ممالک میں حلقہ ہائے انتخاب کے حدود میں رد و بدل کے ذریعے برسر اقتدار جماعت کے لئے یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ وہ مخالف جماعت کے مقابلے میں زیادہ نشستیں حاصل کر لے ۔ اگرچہ اسے مقابلتاً ووٹوں کی اکثریت حاصل نہ ہوئی

ہو ۔ برسر اقتدار جماعت انتخابی حلقوں کو اس طرح تقسیم کر سکتی ہے کہ اسے اپنی مخالف جماعت کے مقابلے میں زیادہ نشستیں مل جائیں ۔ اگرچہ ووٹوں کے تناسب کے اعتبار سے وہ اتنی نشستوں کی حق دار نہ ہو۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی تدبیریں استعمال کی جاتی ہیں۔ امریکہ میں برسر اقتدار جماعت کی یہ تدبیریں (Gerrymandcring) کے نام سے مشہور ہیں ۔»

«جن ممالک میں سیاسی جماعتوں کی تعداد زیادہ ہو وہاں انتخاب کا یہ طریقہ اور بھی ناکام رہتا ہے اس لئے کہ اس کے ذریعے نہ تو حکومت مستحکم ہو پاتی ہے اور نہ صحیح طور پر نمائندہ کہلا سکتی ہے ۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مختلف ممالک میں متعدد کوششیں کی گئیں ۔ مثال کے طور پر جرمنی میں متناسب نمائندگی کا طریق رائج کیا گیا ہے اور فرانس نے (Second ballot) کا طریقہ رائج کیا ہے ۔»

کمیشن نے اس مسئلے پر بڑی تفصیل اور توجہ سے غور کیا کہ ارکان شوریٰ کے انتخاب کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے ۔ کمیشن کے ارکان کی اکثریت کی رائے ہے کہ یک رکنی حلقہ انتخاب کا نظام پاکستان میں مضر ثابت ہوا ہے ۔ اس لئے کہ اس قسم کے انتخابات کے ذریعے اکثر ارکان اضافی اکثریت سے منتخب ہوتے ہیں اور اس طرح در حقیقت اکثریت کی نمائندگی نہیں کرتے ۔ لہذا بعض ارکان نے کثیر رکنی حلقہ ھائے انتخاب کے طریقے کو رائج کرنے کے حق میں رائے دی تا کہ شوریٰ میں مختلف رحجانات رکھنے والے ووٹروں کی نمائندگی ہو سکے ۔ اس طریق انتخاب کے حق میں رائے دینے والے ارکان نے تجویز پیش کی کہ ہر حلقہ انتخاب ضلع یا کم از کم تحصیل کی حدود پر مشتمل ہو اور اس میں سے ناقابل انتقال ووٹ کے ذریعے چار سے چھ ارکان منتخب کئے جائیں ۔ مثال کے طور پر اگر ایک حلقے سے چار ارکان کو منتخب کرنا ہے تو ہر ووٹر صرف ایک شخص کے حق میں ووٹ دے گا اور ووٹوں کی تعداد کے لحاظ سے جو اشخاص پہلے ، دوسرے ، تیسرے اور چوتھے نمبر پر آئیں ، انھیں منتخب قرار دے دیا جائے ۔ دو تین ارکان یک رکنی حلقہ انتخاب کے حق میں تھے ۔ ارکان کی اکثریت نے اس تجویز کو بھی بہتر قرار دیا کہ جس حلقے میں پہلے انتخاب کے نتیجہ میں کسی فرد کو بھی 51 فیصد ووٹ حاصل نہ ہوں تو دو ایسے افراد کے مابین دوبارہ انتخاب کرایا جائے جو سر فہرست ہوں اور ان میں جس کو اکثریت حاصل ہو اس کو منتخب قرار دیا جائے ۔

9 ۔ مجلس شوریٰ میں ماہرین کی شمولیت

کمیشن کے بعض ارکان کی بڑی شدت سے یہ رائے تھی کہ کوئی مجلس اس وقت تک صحیح اسلامی مجلس شوریٰ نہیں کہلا سکتی جب تک اس میں مملکت کے ناسور اہل علم ، ماہرین تعلیم ، قانون دان ، صحافی ، ملک کے ممتاز ماہرین تجارت و صنعت وغیرہ شامل نہ ہوں ۔ ان ارکان کی رائے میں صوبائی مجالس شوریٰ اور مرکزی مجلس شوریٰ کے نصف ارکان براہ راست بالغ رائے دہی کے ذریعہ کثیر رکنی حلقہ ہائے انتخاب کے تحت منتخب ہوں اور بقیہ نصف میں مختلف ماہرین اپنے اپنے مخصوص حلقوں سے منتخب ہو کر آئیں ۔ ان مخصوص حلقوں میں قانون دان ، وکلاء ، ماہرین شریعت ، ریٹائرڈ جج صاحبان کا ایک حلقہ ، مزدوروں کا حلقہ ، صنعت و تجارت کا حلقہ ، ریٹائرڈ فوجی اور سرکاری ملازمین کا حلقہ ، ماہرین تعلیم و تدریس کا حلقہ ، صحافیوں اور ادیبوں کا حلقہ اور دوسرے ماہرین فن (معاشیات ، ریاضیات ، سائنس ، طب ، انجیئرنگ وغیرہ) کا حلقہ شامل ہونا چاہیے ۔ ان سب حلقوں کے ووٹر حضرا ت کی الگ الگ فہرستیں الیکشن کمیشن تیار کرے اور ہر حلقہ سے مطلوبہ تعداد میں ارکان منتخب کئے جائیں ۔ وکلاء کے حلقہ میں وہ علماء بھی شامل ہوں گے جن کو کمیشن کی تجاویز کے مطابق عدالتوں میں ماہرین شریعت کی حیثیت سے بطور وکیل پیش ہونے کی اجازت دی جائے گی ۔ اسی طرح ماہرین تعلیم کے حلقہ میں پرائمری سطح کے مدرسین سے لے کر منظور شدہ دینی مدارس کے اساتذہ اور یونیورسٹیوں کے پروفیسر و محققین حضرات تک سب شامل ہوں گے ، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ ہمارے ہاں قدیم و جدید طبقات میں جو بعد ہے وہ کم ہو گا ، اور خود بخود اسلامی ذہن رکھنے والے غیر متعصب حضرات ابھر کر سامنے آئیں گے ۔ قوم میں ایک نئی ، فعال اور صاحب علم قیادت جنم لے گی اسمبلیوں کا معیار بلند ہو گا ، مملکت کے تمام قابل ذکر حلقوں کو فیصلوں میں شریک ہونے اور پالیسی سازی میں حصہ لینے کا براہ راست موقع ملے گا اور پیشہ ور خاندانی سیاست دانوں کی جگہ سنجیدہ اہل علم و دانش کو بھی موقع ملے گا کہ وہ ملکی معاملات میں رائے دے سکیں ۔ بیورو کریسی کو بھی ان ماہرین فن کی موجودگی میں یہ موقع کم ہی ملے گا کہ وہ کم تعلیم یافتہ اور ناتجربہ کار وزراء اور ارکان اسمبلی کی طرح ان لوگوں کو بھی اپنے اشاروں پر نچا سکے ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شوریٰ کی اسلامی روایات سے بھی یہ نظام قریب تر ہو گا ۔

کمیشن نے اس تجویز کا سرسری جائزہ لیا لیکن وقت کی قلت کے باعث اس پر تفصیلی گفتگو نہ ہو سکی ' اس لئے کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ سر دست 1973ء کے دستور میں اسمبلیوں کی جو ہیئت ترکیبی دی گئی ہے اس کو نہ بدلا جائے اور تمام ارکان براہ راست ھی منتخب شدہ ہوں ۔ بعض ارکان نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ امیر مملکت کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ مرکزی شوریٰ کے ایوان بالا میں ماھرین کی ایک تعداد کو نامزد کر دے لیکن ان ماھرین کو شوریٰ کی رائے شماری میں حصہ لینے کا حق نہ ہو۔

10 ۔ مرکزی مجلس شوریٰ کے دونوں ایوان

مرکزی مجلس شوریٰ دو ایوانی رکھی جائے ۔ مرکزی دارالحکومت اسلام آباد اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کو بھی ایوان بالا میں دیگر صوبوں کے برابر نمائندگی دی جائے ' مجلس شوریٰ کے ان دونوں ایوانوں کے مجموعہ کو مرکزی مجلس شوریٰ کہا جائے گا ۔ ان دونوں ایوانوں میں قانون سازی وغیرہ کا وھی طریقہ کار ہو گا جو 1954ء کے مسودہ دستور میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے سلسلہ میں تجویز کیا گیا تھا ۔ یہ مسودہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے مرتب کیا تھا ۔ جس میں تحریک پاکستان کے نامور قائدین اور قائد اعظم کے قریبی رفقا شامل تھے ۔ مزید برآں دونوں ایوانوں کے مابین اختیارات اور ذمہ داریوں کی یہ تقسیم 1973ء کے دستور کی بہ نسبت زیادہ موزوں اور متوازن تھی ۔ علاوہ ازیں مرکزی مجلس شوریٰ کے ایوان زیریں اور صوبائی مجالس شوریٰ کے ارکان کی تعداد کا تعین ھر تازہ ترین مردم شماری کی بنیاد پر کیا جائے ۔

11 ۔ ارکان شوریٰ کے اوصاف و شرائط

مجلس شوریٰ کے مسلم رکن کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ حسب ذیل شرائط و اوصاف پر پورا اترتا ہو :

1 ۔ باکردار مسلمان ہو اور علانیہ احکام اسلام سے انحراف میں مشہور نہ ہو۔

2 ۔ فرائض کا پابند اور کبائر سے مجتنب ہو۔

3 ۔ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو ۔

4 ۔ گریجوایٹ ہو یا کسی مستند دینی درس گاہ کا فارغ التحصیل ہو ۔ یا اس کے مساوی کوئی تسلیم شدہ سند رکھتا ہو ۔

5 ۔ عمر پچیس سال سے کم نہ ہو ۔

6 ۔ کسی اخلاقی جرم میں یا جھوٹی گواھی میں سزا یافتہ نہ ہو ۔

7 ۔ پاکستان کا شہری ہو اور قیام پاکستان کے بعد ملک کی سالمیت اور نظریہ پاکستان کی کبھی مخالفت نہ کی ہو ۔

8 ۔ اس کا نام متعلقہ انتخابی فہرست میں درج ہو ۔

البتہ غیر مسلم ارکان شوریٰ اوپر بیان کردہ اوصاف و شرائط ضمن 1 تا 3 سے مستثنیٰ ہوں گے ۔ ان کے لئے ضروری ہو گا کہ ان کی عام اخلاقی شہرت اچھی ہو ۔

خواتین کے لئے مندرجہ بالا شرائط کے علاوہ یہ ضروری ہو گا کہ :

(الف) ان کی عمر پچاس سال سے کم نہ ہو ، اور

(ب) اگر شوھر حیات ہو تو اس کا تحریری اجازت نامہ پیش کیا جائے ۔

ان شرائط کے ساتھ جو خواتین منتخب ہوں وہ اسمبلی کی کارروائی میں اس طرح حصہ لے سکیں کہ اسلامی حدود حجاب میں رہتے ہوئے اپنی بات کہہ بھی سکیں اور دوسروں کی بات سن بھی سکیں ۔

12 ۔ ارکان شوریٰ کی نا اھلیتیں

1 ۔ وہ فاتر العقل ہو اور کسی عدالت مجاز نے اس کو فاتر العقل قرار دیا ہو۔

2 ۔ اسے پارلیمنٹ کے کسی قانون کے ذریعے نااھل قرار دے دیا گیا ہو ۔

13 ۔ خواتین کی نشستیں

دستور 1973ء کے تحت خواتین کے لئے دس سال کی مدت کے لئے دس نشستیں مخصوص کی گئی تھیں ۔ اگرچہ یہ مدت 1983ء میں ختم ہو گئی ہے ۔ لیکن کمیشن کے نزدیک فی الحال ایسے حالات نہیں پیدا ہوئے ہیں کہ خواتین کے لئے نشستوں کی تخصیص کے اصول کو ختم کر دیا جائے ۔ کمیشن نے اس مسئلے پر تفصیلی غور و خوض کے بعد یہ طے کیا کہ خواتین کے لئے مجلس شوریٰ کے کل ارکان کے پانچ فی صد کے تناسب سے ان کی نشستیں مخصوص کر دی جائیں ۔

ان نشستوں کو پر کرنے کے لئے ایک کونسل برائے نامزدگی خواتین تشکیل دی جائے گی ۔ یہ کونسل مقررہ تعداد سے دوگنی تعداد میں مندرجہ بالا شرائط پر پوری اترنے والی خواتین کا نام تجویز کر کے امیر مملکت کو ارسال کرے گی ، اور وہ اس فہرست میں سے مقررہ تعداد میں خواتین کو نامزد کر دے گا ۔ اس کونسل کی تشکیل سے متعلق کمیشن کے بعض ارکان نے تجویز کیا کہ اس میں مرکزی شوریٰ کے دونوں ایوانوں کے صدر ، وزارت امور مذہبی کا سربراہ ، اسلامی نظریاتی کونسل کا سربراہ اور محتسب اعلیٰ شامل ہوں ۔

14 ۔ اسلامی بنیادوں پر انتخابات کا طریقہ کار

صفحات بالا میں جماعتی طریقہ انتخاب کے بعض ان نقائص و مفاسد کا ذکر کیا گیا ہے جن کے پیش نظر کمیشن کی رائے ہے کہ ملک میں ہر سطح کے انتخابات غیر جماعتی طریقہ کار کے مطابق کرائے جائیں ۔ غیر جماعتی انداز کے انتخابات کے لئے کمیشن نے ایک متبادل طریقہ کار وضع کیا ہے جس کی تفصیلات ضمیمہ نمبر 3 میں موجود ہیں ۔ ان تفصیلات میں سے بعض کو دستور میں اور بقیہ کو انتخابی قوانین میں سمویا جا سکتا ہے ۔ غیر جماعتی طریقہ انتخاب کا ایک لازمی عنصر خود امید واری کے نظام کا بھی خاتمہ ہے ۔ قطع نظر اس امر کے کہ خود امید واری کا نظام اسلامی تعلیمات سے کس حد تک متصادم ہے ، اس بات میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ اس نظام نے ہمارے ملک میں بہت سی قباحتوں کو جنم دیا ہے ۔ ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو طریقہ کار وضع کیا گیا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے :

1 ۔ اسلامی ریاست میں حصول اقتدار کے لئے انفرادی یا اجتماعی رسہ کشی ناپسندیدہ ہے، پاکستان میں ہر سطح کے انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر منعقد ہوں گے ۔ علاوہ ازیں «خود امید واری» نظام کے بجائے «تجویز» کا نظام اختیار کیا جائے گا ۔ ان انتخابات میں رائے دھندگان کی عمر کم از کم اکیس سال ہو گی، اس شرط کے ساتھ کہ وہ کبھی کسی عدالت میں جھوٹی گواھی کا مرتکب نہ ہوا ہو۔

2 ۔ مرکزی اور صوبائی مجالس شوریٰ کے انتخابات کے لئے متعلقہ حلقہ کے کم از کم ایک فی دو ہزار ووٹر کسی موزوں فرد کو تجویز کریں گے ۔ ان مجوزین میں ایسے قریبی رشتہ دار یا دوسرے لوگ شامل نہیں ہوں گے جن کی گواھی تجویز کئے جانے والے فرد کے حق میں شرعاً معتبر نہیں ۔

3 ۔ تجویز مقررہ پروفارموں پر ہو گی جو کہ الیکشن کمیشن کی طرف سے پانچ روپے میں دستیاب ہوں گے ۔

4 ۔ ہر تجویز کنندہ ایک بیان حلفی کے تحت ان اسباب کی تفصیلی نشاندھی کرے گا جن کے پیش نظر وہ متعلقہ فرد کا نام تجویز کر رہا ہے ۔

5 ۔ تجویز کے ان تمام پروفارموں اور متعلقہ بیانات کی جانچ پڑتال الیکشن کمیشن متعلقہ قانون اور قواعد و ضوابط کے مطابق کرے گا ۔

6 ۔ کسی تجویز شدہ شخص یا اس کے کسی حامی کو اپنے یا کسی اور کے حق میں کنویسنگ کرنے اور مہم چلانے کی اجازت نہیں ہو گی، تاہم الیکشن کمیشن تجویز شدہ افراد کے نام، ان کی تعلیمی صلاحیتوں، ان کی سابقہ خدمات اور دوسرے اسباب ترجیح ایک کتابچہ کی صورت میں شائع کر دے گا ۔ ہر شخص کو اجازت ہو گی کہ وہ اس کتابچہ کو کسی ترمیم یا حذف و اضافہ کے بغیر مفت تقسیم کرنے کی غرض سے طبع کرے یا کرائے ۔ مزید برآں تجویز شدہ افراد کو متعارف کرانے کے لئے صرف حلقہ انتخاب کی حد تک الیکشن کمیشن کے زیر اہتمام تعارفی مجالس منعقد کی جا سکیں گی ۔ نیز ہر تجویز شدہ فرد کو اخبارات، ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعہ متعارف کرانے کے ممکنہ مواقع فراہم کئے جائیں گے ۔

7 ۔ انتخاب کے لئے تجویز شدہ مسلمان فرد اگر اپنی نامزدگی کی اس تجویز سے متفق ہو تو وہ الیکشن کمیشن کو ایک بیان حلفی پیش کرے گا جس میں وہ اقرار

کرے گا کہ وہ ہر معاملہ میں پہلے قرآن و سنت کے احکام اور دستور پاکستان اور پھر ملکی قانون اور ملی مصالح کو پیش نظر رکھے گا اور کسی بھی گروہی ، جماعتی ، طبقاتی ، لسانی ، علاقائی یا فرقہ وارانہ مفاد سے متاثر نہیں ہو گا ۔

8 ۔ اگر کسی تجویز شدہ شخص کے بارے میں الیکشن کمیشن کے رو برو پیش کردہ شہادتوں یا دستاویزات یا دوسرے ذرائع ثبوت کی بنیاد پر یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے یا اس کے کسی حامی نے کسی گروہی ، جماعتی ، طبقاتی ، لسانی ، علاقائی یا فرقہ وارانہ مفاد یا مصلحت کو پاکستان کے مفاد اور مصلحت پر مقدم رکھ کے لوگوں کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کی ہے تو اس کی نامزدگی فوراً کالعدم ہو جائے گی اور ایسا کوئی فرد آئندہ تین سال تک کسی بھی انتخاب میں کسی بھی حیثیت میں حصہ لینے کا نااہل ہو گا ۔

9 ۔ اگر منتخب ہو جانے کے بعد الیکشن کمیشن کے رو برو کسی رکن شوریٰ کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے انتخاب سے پہلے یا اس کے بعد کسی گروہی ، جماعتی ، طبقاتی ، لسانی ، علاقائی یا فرقہ وارانہ مفاد یا مصلحت کو پاکستان کے مفاد اور مصلحت پر مقدم رکھ کے لوگوں کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کی تھی تو اس کی رکنیت فوری طور پر ختم ہو جائے گی ۔

10 ۔ الیکشن کمیشن اس بات کو مشتہر کرے کہ چونکہ ارکان مجالس شوریٰ اپنے حلقوں کے صرف نمائندے ہی نہ ہوں گے بلکہ انتخاب امیر مملکت کے لئے اپنے حلقوں کے رائے دھندگان کے وکیل بھی ہوں گے ، لہذا ملک کے سارے رائے دھندگان اپنے نمائندوں کو خوب سوچ سمجھ کر منتخب کریں ۔

15 ۔ مجلس شوریٰ میں غیر مسلموں کی شمولیت

کمیشن نے بالاتفاق یہ طے کیا ہے کہ پاکستان کی مجلس شوریٰ میں یہاں کے غیر مسلموں کو ان کی آبادی کے تناسب سے نشستیں دی جائیں ۔ اوسطاً جتنی آبادی کے مقابلے میں ایک مرکزی یا صوبائی شوریٰ کی نشست رکھی جائے گی اتنی ہی غیر مسلم آبادی کے لئے ان کی تعداد کے مطابق مختلف مذاہب کو الگ الگ نشستیں دے دی جائیں ۔ اگر کوئی غیر مسلم طبقہ اپنی آبادی کے اعتبار سے بہت معمولی تعداد رکھتا ہو تو اس کو کسی دوسرے معمولی آبادی والے طبقے کے ساتھ ملا کر

مشترکہ نشست دے دی جائے ۔ کمیشن نے اتفاق رائے سے یہ سفارش بھی کی ہے کہ پاکستان میں ہر سطح پر جداگانہ انتخابات ہوں اور ہر مذہب کے لوگوں کی جداگانہ انتخابی فہرستیں مرتب کی جائیں ۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی رپورٹ میں غیر مسلموں کے لئے ایک جداگانہ نمائندہ مجلس کے قیام کی سفارش کی ہے ۔ ارکان کمیشن نے اس تجویز کا جائزہ لیا ۔ لیکن اس میں کوئی شرعی قباحت محسوس نہیں کی کہ مجلس شوریٰ ھی میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کو بھی حسب آبادی نشستیں دے دی جائیں ۔ یہی رائے بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ نے بھی دی تھی اور پھر 1953ء میں کراچی میں منعقد ہونے والے علماء کے ایک نمائندہ اجلاس میں بھی اسی نقطہ نظر کو اختیار کیا گیا تھا ۔

باب چہارم

عدلیہ

قرآن مجید کی رو سے لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ سورہ «حدید» کی آیت نمبر 25 میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبر جس مقصد سے بھیجے اور تمام کتابیں جس مقصد سے اتاریں وہ یہی تھا کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اسلامی حکومت کا اولین اور بنیادی فرض قرآن و سنت کے مطابق اقامت عدل ہے۔ سورہ «نساء» کی آیت نمبر 105 اور سورہ «ص» کی آیت نمبر 26 میں بالترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب کر کے ان کی حکومتوں کا بنیادی مقصد لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلے کرنا بتایا گیا ہے۔ اسلامی تقاضوں کے مطابق عدل و انصاف کے قیام کی یہی اہمیت ہے جس کی وجہ سے ایک حدیث میں آتا ہے کہ کسی حاکم عدالت کا ایک روز عدل و انصاف کرنا چالیس سال کی نفل عبادتوں سے بہتر ہے۔

عدلیہ کی بالا دستی اور خود مختاری اور اس کا وقار ان فرائض کی انجام دہی کے لئے لازمی شرائط کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس معاملے میں تاریخ اسلام کی روایات عدلیہ کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہیں۔ غالباً یہ مثال کسی قوم کی عدالتی تاریخ پیش نہیں کر سکتی کہ کوئی فاتح فوج کسی ملک میں فاتحانہ داخل ہونے کے بعد محض ایک عدالت کے حکم سے مفتوحہ ملک کو خالی کر کے پیچھے ہٹ گئی ہو۔ اسلامی عدلیہ کی تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ (تفصیلات کے لیے دیکھئے ' وکیع کی کتاب ' اخبار القضاۃ)

لہذا اسلامی نظام حکومت کا کوئی خاکہ «عدلیہ» کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کمیشن نے «عدلیہ» سے متعلق تجاویز مرتب کرنے کے لیے ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی جو مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل تھی :

1۔ جناب جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب

2۔ جناب جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب

3 ۔ جناب جسٹس (ریٹائرڈ) محمد گل صاحب

4 ۔ جناب جسٹس (ریٹائرڈ) محمد افضل چیمہ صاحب

5 ۔ جناب حاجی شیخ غیاث محمد صاحب

6 ۔ جناب اخوند زادہ بہرہ ور سعید صاحب

ذیلی کمیٹی کی رپورٹ اور دوسرے متعلقہ امور پر غور و خوض کے بعد کمیشن اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کے پاس جو انتہائی محدود وقت ہے اس میں "عدلیہ" سے متعلق وہ تمام تفصیلی تجاویز علیٰ وجہ البصیرت مرتب کرنا ممکن نہیں ہے جو ہمارے ملک کی عدلیہ کو مکمل طور پر اسلامی خطوط پر منظم کرنے کے لئے ضروری ہے ۔ لہذا اس مختصر وقت میں صرف وہ بنیادی اصول پیش کیے جا سکتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عدل و انصاف کے قیام کے لیے ضروری ہیں ۔ ان اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے تفصیلات بعد میں مرتب کی جا سکتی ہیں ۔ وہ بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں :

(1) اسلامی مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملک کے ہر باشندے کو مفت اور سہل الحصول انصاف بعجلت ممکنہ فراہم کرنے کا اہتمام کرے ۔

اس غرض کے لیے مملکت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی باشندے پر عدالت سے رجوع کرنے کے لئے کوئی فیس مقرر کرے ۔ نیز حکومت پر یہ لازم ہے کہ وہ ممکنہ حد تک عدالت سے انصاف حاصل کرنے کے نظام کو سادہ اور آسان بنائے تاکہ عوام کو دوسرے ایسے اخراجات بھی نہ کرنے پڑیں جو حصول انصاف کو عملاً صرف دولت مند افراد کی حد تک محدود کر سکیں اور نہ حصول انصاف میں اتنی تاخیر ہو کہ انصاف کا مقصد ھی فوت ہو جائے ۔

(2) حکومت پر لازم ہے کہ وہ عدلیہ کے مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہونے کی ضمانت دے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ کسی بھی مظلوم کی دادرسی میں نہ عدلیہ کے اختیار انصاف رسانی پر کوئی پابندی عاید کی جائے گی اور نہ حق و انصاف کے مطابق فیصلہ دینے میں کسی قسم کی بیرونی مداخلت کا کوئی موقع فراہم کیا جائے گا ۔

(3) 1973ء کے آئین میں فقرہ نمبر «199» کے خلاف جو ترمیمات اب تک کی گئی ہیں یا اس سلسلے میں آئین کو معطل کرکے عدلیہ کے اختیارات اور وقار کو مجروح کیا گیا ہے اس کو فوری طور پر ختم کر کے آئین کی اصل پوزیشن کو بحال کیا جائے گا ۔

(4) عدلیہ کو ہر سطح پر انتظامیہ سے الگ رکھا جائے گا ۔ اس غرض کے لیے 1973ء کے آئین میں تین سال کی مہلت رکھی گئی ہے جسے مختلف ترمیمات کے ذریعے مسلسل بڑھایا جاتا رہا ۔ کمیشن کی رائے میں اس عمل کے لیے زیادہ سے زیادہ ایک سال کی مہلت کافی ہے ۔

(5) عدالت عظمیٰ اور ہر عدالت عالیہ کے چیف جسٹس کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ مخلص اور باعمل مسلمان ہو اور اسلامی شریعت کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو ۔

(6) دوسرے ججوں کے تقرر میں بھی ان کی علمی قابلیت اور ان کے مطلوبہ تجربے کے علاوہ ان اوصاف کو مدنظر رکھا جائے گا جو اسلام نے قاضی کے لیے ضروری قرار دیے ہیں ۔

(7) عدلیہ کے اس اختیار پر کوئی پابندی نہ ہو گی کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف کسی قانون کو کالعدم قرار دے ۔

اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت کے ابتدائی اختیار سماعت پر اس وقت جو پابندیاں عاید ہیں اور جن کے تحت دستور ، ضابطے کے قوانین ، مالی قوانین اور مسلم شخصی قوانین کو اسْ کے دائرۂ اختیار سے باھر رکھا گیا ہے ۔ انھیں فوراً ختم کر دیا جائے گا اور ہر قسم کے قوانین وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار میں داخل ہوں گے ۔

(8) عدلیہ کی کارروائیوں کو مؤثر طور پر اسلامی سانچے میں ڈھالنے کیلئے ایسا انتظام کیا جائے گا کہ عدلیہ فقہ اسلامی کے مستند علماء سے بطور وکیل اور بطور جج مناسب طور پر استفادہ کر سکے ۔

(9) اس کے لئے یہ بھی ضروری ہو گا کہ فوری طور پر وفاقی شرعی عدالت میں ججوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے تا کہ کام کے ممکنہ فوری اضافہ کی صورت میں اس عدالت کا کام متاثر نہ ہو۔

(10) درس نظامی کے ایسے مستند علماء کو جو کسی منظور شدہ دینی ادارہ کی سند رکھتے ہیں۔ ان کو ماتحت عدالتوں میں بطور وکیل پیش ہونے کی اجازت دے دی جائے، پھر آگے چل کر جو اصحاب ملکی قانون سے واقفیت اور عمدہ کار کردگی کی بناء پر نمایاں حیثیت حاصل کریں گے ان کو کچھ مدت مثلاً پانچ سال بعد سیشن عدالتوں میں بھی پیش ہونے کی اجازت دے دی جائے۔ اس سے نہ صرف ان عدالتوں میں نفاذ شریعت کے کام میں مدد ملے گی بلکہ قانون دان حلقہ کو فوری طور پر ماہرین شریعت کی علمی مدد بھی حاصل ہو جائے گی۔ جو اس وقت حاصل نہیں ہے۔

باب پنجم

رھنما اصول اور اسلامی احکام

(جزو الف)

مملکت کی پالیسی کے رہنما اصول

1 ۔ آج جبکہ دستور مملکت کی احکام قرآن اور سنت رسول ﷲ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ترسیم و تدوین کا مرحلہ در پیش ہے ایک اہم مسئلہ مملکت کی عام پالیسی وضع کرنے کے لئے ایسے رہنما اصول مرتب کرنے کا ہے جو ایک اسلامی مملکت کے اہداف و مقاصد کو بوجہ احسن پورا کرنے میں معاون ہوں ۔ اس نقطہ نظر سے مروجہ دستور پاکستان 1973ء کی متعلقہ دفعات کا جائزہ بھی لینا ہے اور اس امر کو بھی مد نظر رکھنا ہے کہ احکام شریعت کی متابعت میں دستور موجودہ میں جو تبدیلیاں ضروری ہیں ان سے پیدا ہونے والے تقاضوں کا بھی لحاظ رکھا جائے ۔

2 ۔ پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ دستور نافذہ 1973ء میں مملکت کی پالیسی کے جو رہنما اصول رکھے گئے ہیں وہ کس حد تک شریعت سے واضح طور پر متصادم یا ایک اسلامی مملکت کے مقاصد کو نظر انداز کر کے غیر متعلق مقاصد کے حصول کی غرض سے شامل کئے گئے ہیں ۔ اس ضمن میں سب سے پہلے جو بات ایک راسخ العقیدہ پاکستانی مسلمان کو کھٹکتی ہے وہ دستور مذکور کی دفعہ 3 ھے جس کا بنیادی تصور اشتراکیت کے مشہور نعرے پر مبنی ہے ' یعنی

«مملکت ہر قسم کے استحصال کے خاتمے اور اس بنیادی اصول کی تدریجی تکمیل کا یقین دلائے گی کہ ہر ایک سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے گا اور ہر ایک کو اس کے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے گا''

اسی طرح دفعہ 40 ہے جس کے منجملہ یہ الفاظ اور ان کے مضمرات قابل غور ہیں ۔ ''مملکت اس بات کی کوشش کرے گی کہ ایشیاء افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام کے مشترک مفادات کی حمایت کی جائے ۔''

ایک اسلامی حکومت میں حمایت اور تعاون کا اصل معیار حق و انصاف ہے ، اور وہ کسی خطے کے ساتھ مخصوص نہیں ، لہذا اس شق کے الفاظ میں مناسب ترمیم کر دی جائے ۔

اسی طرح دفعہ 34 میں کہا گیا ہے کہ «قومی زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی مکمل شمولیت کو یقینی بنانے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے » ۔ ایسے غیر مشروط اعلانات کا ایک اسلامی معاشرے میں کوئی جواز اس لئے نہیں ہے کہ اسلام نے عورتوں اور مردوں کے فرائض اور دائرہ ہائے کار الگ الگ متعین کئے ہیں اور پاکستان کی خواتین کی اکثریت نہ اس مکمل شمولیت کی متمنی ہے ، نہ اسے جائز سمجھتی ہے ۔

3 ۔ پھر ہمارے پیش نظر یہ بھی ہے کہ ہم اسلام کے تقاضوں سے اپنے دستور کو ہم آہنگ کریں اور احکام و نصوص کی پابندی کرتے ہوئے مملکت پاکستان کی سلامتی اور فلاح کو یقینی بنائیں ۔ اس غرض سے بعض ناگزیر حالات اس کے متقاضی ہیں کہ بعض رہنما اصولوں کا اضافہ کیا جائے ۔ اس صورت حال میں بہتر صورت یہ نظر آتی ہے کہ ہم ان ارباب حل و عقد کی تجاویز سے مدد لیں جنھوں نے مملکت پاکستان کی تعمیر اور اس کے لئے اسلامی دستور کی تدوین و تشکیل میں سعی و کاوش کی تھی لہذا 1954ء کے مسودہ دستور میں جو رہنما اصول طے کئے گئے تھے ان کو موجودہ دستور میں سمویا جائے ۔ پھر ہمیں اس کا بھی خیال رکھنا ہو گا کہ رہنما اصول جو مرتب کئے جائیں وہ محض زیب قرطاس ھی نہ رہیں بلکہ قوم کے نمائندے اس کی نگرانی کر سکیں کہ ان پر کہاں تک عمل ہو رہا ہے ۔

ان امور کے پیش نظر ہم یہ بھی تجویز کرتے ہیں اور رہنما اصولوں کی تشکیل میں اسکا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کمیشن غیر جماعتی بنیاد پر انتخابات کی سفارش کر رہا ہے تاکہ قوم کو مروجہ انداز سیاست کی ہنگامہ خیز مزاج اور مخاصمانہ انتخابی سہم غیر مستحسن کشاکشں ، خلاف اخلاق سرگرمیوں اور تدابیر میں مبتلا ہونے سے بچایا جائے ۔ اس لئے یہ ناگزیر ہے کہ حکمت عملی کے رہنما اصولوں پر مبنی ایک قومی منشور مملکت اسلامی کے اہداف و مقاصد کو واضح کرنے کی غرض سے مرتب کیا جائے جس کو عملی جامہ پہنانے کی جد و جہد انتخابات میں ہر نمائندے کو کرنی چاہئے یہ نہ صرف غیر جماعتی بنیاد پر انتخابات کرانے کا تقاضا ہے بلکہ قرین مصلحت بھی ہے ۔ یہاں اس وقت اس منشور کو تفصیلی طور پر مرتب کرنے کی بجائے صرف اس

قدر اشارہ کافی ہے کہ یہ قومی منشور ان مقاصد کی تکمیل کی تدابیر پر مشتمل ہو گا ۔ چنانچہ ملی حکمت عملی کے رہنما اصول ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ۔

1 ۔ مملکت اپنی حکمت عملی وضع کرنے میں درج ذیل رہنما اصولوں کی پابندی کرے گی اور اس غرض کے لئے مرکزی مجلس شوریٰ میں ایک نمائندہ کمیٹی قائم کی جائے گی جو ہر سال کے اختتام پر حالات اور واقعات کی روشنی میں مملکت کے مختلف شعبوں کی کارکردگی کا جائزہ لے گی اور سرکاری و نیم سرکاری محکمہ جات یا اشخاص متعلقہ نے اگر ان اصولوں سے انحراف کیا ہو تو ان کی مناسب باز پرس کرے گی ۔ اس کو کوئی مناسب نام دیا جا سکتا ہے ۔ مثلاً پبلک پالیسی کمیٹی ۔

2 ۔ مملکت اپنی پالیسی اور انصرام کار میں ، دستور کے ابتدائیہ یعنی قرار داد مقاصد میں مذکور اصولوں سے رہنمائی حاصل کرنے کی پابند ہو گی ۔

3 ۔ مملکت ، مسلم حکومتوں اور ملت مسلمہ کے اتحاد اور یک جہتی بین الاقوامی امن و تحفظ ، قوموں میں خیر سگالی اور دوستانہ تعلقات کو فروغ دے گی اور بین الاقوامی تنازعات کو پر امن ذرائع سے طے کرنے کی ہمت افزائی کرے گی ۔

4 ۔ حکومت ایسے اقدامات کرے گی جو ملت پاکستان کو ، انفرادی اور اجتماعی طور سے اپنی زندگیاں ، احکام قرآنی اور سنت کے مطابق مرتب اور بسر کرنے کے مقصد کو پورا کرنے کی ضمانت دیں ۔ اور خاص طور سے حکومت کی کوشش ہو گی کہ

(الف) اسلامی احکام کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی سہولتیں فراہم کی جائیں اور قرآن کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے ۔

(ب) زکواۃ ، وقف اور مسجدوں کے نظام کو باقاعدہ مرتب اور منظم کیا جائے ۔

(ج) عصمت فروشی ، قمار بازی شراب اور دیگر منشیات پر حتمی بندش عائد کی جائے ۔ اور

(د) سود کی بالکلیہ اور قطعی ممانعت کر دی جائے ۔

5 ۔ تمام باشندگان ملک کے لئے پبلک لاء ایک ہو گا لیکن اسلامی شریعت کے تقاضوں کے مطابق غیر مسلموں کے شخصی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی ۔

6 ۔ حکومت تمام علاقائی ' قبائلی ' نسلی ' فرقہ وارانہ اور صوبائی تعصبات اور ایسے ھی غیر اسلامی معاشرتی رواجوں اور رسموں کی ھمت شکنی کرے گی اور مسلمانان پاکستان کے ذھنوں میں ملت اسلامیہ کی وحدت اور یک جہتی اور پاکستان کے نظریاتی تقاضوں اور تشکیل پاکستان کے بنیادی اھداف و مقاصد کی تکمیل کے لئے اقدام اور اھتمام کرے گی ۔

7 ۔ مملکت ' پاکستان کی تمام اقلیتوں کے جائز حقوق اور مفادات کا تحفظ کرے گی بالخصوص بذریعہ قانون ' اچھوت طبقات کے ساتھ معاشرتی رواجی امتیازات کو قابل سزا جرم قرار دے گی ۔

8 ۔ مملکت اور حکومت کا فرض ہو گا کہ

(الف) پسماندہ اقلیتوں اور شیڈول کاسٹ اور قبائلی علاقوں کے اقتصادی اور تعلیمی مفادات کو ترقی دے ۔

(ب) اس امر کا اھتمام کرے کہ نابالغوں اور خواتین کا استحصال نہ کیا جائے اور نہ ان پر حتی الوسع ایسے کاموں کا بوجھ ڈالا جائے جو ان کی عمر اور جنس کے لئے نامناسب اور ناموزوں ہوں ۔

(ج) قلیل ترین مدت میں ناخواندگی کے خاتمے کا اھتمام کرے اور ابتدائی تعلیم تمام پاکستانیوں کو لازمی اور مفت فراھم کی جائے ۔

(د) کم سے کم عرصہ میں پاکستان کے ھر علاقے کے عوام کو تعلیم و تربیت کے ذریعہ تمام قومی مساعی میں پورا پورا حصہ لینے کا اھل بنایا جائے ۔

9 ۔ حکومت خواتین کو ملازمت کے دوران مناسب اور مہذب ماحول اور زچگی سے متعلق مراعات فراھم کرنے کے لئے قواعد مرتب کرے گی ۔

10 ۔ مملکت ، تمام قائم شدہ عبادت گاہوں ، قبرستانوں اور مرگھٹوں کی حفاظت کا انتظام کرے گی ۔

11 ۔ حکومت کی کوشش ہو گی کہ

(الف) تمام سرکاری اور نیم سرکاری اور نجی ملازموں کو لازمی بیمہ کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ پر معاشی تحفظ فراہم کرے ۔

(ب) بلا امتیاز مذہب و نسل ھر پاکستانی شہری کے لئے ، جو عارضی طور پر یا مستقل طور پر بیروز گاری ، بیماری یا دیگر وجوہ کی بنا پر اپنی گزر بسر کے لئے روزی پیدا کرنے سے معذور ہو بنیادی ضروریات زندگی جیسے خوراک ، لباس ، رہائش ، تعلیم اور طبی سہولت فراہم کرے گی ۔

(ج) ملازمین سرکار کے مختلف طبقات کی یافت پر اس غرض سے نظر ثانی کرے گی کہ ان میں تفاوت ، مناسب حد تک کم کر دیا جائے اور قابل گزارہ حد سے کم پر کوئی ملازم نہ رکھا جائے ۔

12 ۔ مملکت اپنی اقتصادی پالیسی اس طرح مرتب کرے گی کہ

(الف) تمام شہریوں کے لئے ، ملک کے معاشی وسائل کے لحاظ سے ، کام کاج کی سہولتیں فراہم کرنے کا انتظام ہو جائے ۔

(ب) ارتکاز دولت اور ذرائع پیداوار کی ایسی تقسیم کی ، جو مفاد عامہ کے خلاف ہوں روک تھام کرے ، آجر اور مزدور ، اور زمیندار اور کاشتکار ، کے حقوق و فرائض میں مناسب توازن پیدا کرے ، اسطرح کہ استحصال کا سد باب ہو سکے ۔

جزو « ب »

اسلامی احکام اور اسلامی ادارے

پاکستان کے تمام سابقہ دساتیر میں اسلامی اداروں کے نام سے الگ ابواب شامل رہے ہیں ۔ ان ابواب میں مذکور احکام کے ذریعہ اس امر کی ضمانت دینے کی

کوشش کی گئی ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف ملک میں کوئی قانون نہ بن سکے۔ اس کے لئے مختلف دساتیر میں مختلف طریق ھائے کار اختیار کئے گئے ہیں 1973ء کے دستور میں اس باب کے تحت جو احکام دئے گئے ہیں وہ اکثر و بیشتر 1956ء کے دستور سے ماخوذ ہیں۔ بعض احکام جو 1956ء اور 1962ء کے دساتیر میں موجود تھے 1973ء کے دستور میں حذف کر دئے گئے۔کمیشن نے ان امور پر غور کیا اور حسب ذیل تجاویز منظور کیں:

1۔ قرار داد مقاصد کو محض دستور کے دیباچہ کی بجائے دستور کا ایسا حصہ قرار دیا جائے جو بذریعہ عدالت قابل تنفید ہو اور واضح طور پر لکھا جائے کہ دستور و قانون کی کوئی تعبیر جو قرار داد مقاصد کے مندرجات سے متصادم ہو معتبر نہیں ہو گی۔

2۔ قرآن و سنت سے متصادم تمام قوانین کالعدم ہوں گے۔ سر دست وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ از خود یا کسی بھی شہری کی درخواست پر بلا استثناء ھر ایسے قانون کو کالعدم قرار دے دے جو قرآن و سنت سے متصادم ہو۔

کمیشن نے اس مرحلہ پر اس نکتہ پر بھی غور کیا۔ کہ کیا مالی قوانین کو بھی فوری طور پر اس دفعہ کے تحت قابل چیلنج قرار دیا جائے یا اس کے لئے کوئی میعاد مقرر کی جائے جس کے گزرنے کے بعد یہ قوانین قابل چیلنج ہوں۔ تفصیلی غور و خوض کے بعد کمیشن کی یہ حتمی اور طے شدہ رائے ہے کہ اس ضمن میں کسی مدت کا تعین یا کسی قسم کا استثناء ضروری نہیں۔

3۔ 1956ء اور 1962ء کے دساتیر میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے نام سے ایک ایسے آزاد اور خود مختار ادارے کے قیام کا حکم دیا گیا تھا جو معاشرہ کی اسلامی خطوط پر تشکیل نو کا کام علمی اور فکری سطح پر انجام دے۔ دستور میں اس کی بابت احکام موجود ہونے کی وجہ سے ادارہ کو ایک دستوری حیثیت حاصل تھی جو 1972ء کے عبوری دستور میں بھی باقی تھی لیکن 1973ء کے دستور میں ادارہ تحقیقات اسلامی سے متعلقہ دفعات حذف کر دی گئیں۔

اداره اور اس کے کام کی اهمیت کے پیش نظر نیز اس حقیقت کے پیش نظر کہ ملک کے تین دساتیر میں پے در پے اس کا ذکر رہا ہے یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ دستور میں ادارہ تحقیقات اسلامی کی حیثیت کو بحال کر دیا جائے۔

4ر۔ 1952ء اور 1954ء کے دستوری مسودات میں ایک ایسے ادارہ کے قیام کی گنجائش رکھی گئی تھی، جو اسلام کے تقاضوں کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض سر انجام دے۔ تاریخ اسلام میں اس قسم کا ادارہ «محکمہ احتساب» اور اس میں کام کرنے والے افراد محتسب کہلاتے تھے۔ هم نے حال هی میں محتسب اعلی کے نام سے جو ادارہ قائم کیا ہے وہ احتساب کے قدیم اسلامی ادارہ سے خاصا مختلف ہے۔ محتسب اعلیٰ آرڈیننس میں جو فرائض اور ذمہ داریاں محتسب کے سپرد کی گئیں ہیں وہ اسلامی دور میں دیوان مظالم کو حاصل ہوتی تھیں۔ لہذا کمیشن تجویز کرتا ہے کہ یا تو محتسب اعلیٰ هی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض سونپ دئے جائیں یا الگ الگ ادارے قائم کر دئے جائیں اور موجودہ محتسب اعلیٰ کو دیوان مظالم کا نام دے کر احتساب کا ادارہ الگ قائم کر دیا جائے۔

5۔ چوں کہ کمیشن نے وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار بڑھانے کی سفارش کی ہے لہذا ضروری ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کے ججوں کی تعداد میں مناسب اضافہ کیا جائے۔ نیز عدالت کے علماء ججوں کی تعداد بڑھائی جائے۔ اسی طرح سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت اپیل بنچ میں بھی کام کے فوری ممکنہ اضافہ کے پیش نظر مزید علماء ارکان کو شامل کیا جائے۔

6۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی اس انداز سے تشکیل کی جائے کہ یہ ادارہ اپنے موجودہ فرائض بخوبی انجام دینے کے قابل ہونے کے ساتھ ساتھ ملکی سطح پر ایک دارالافتاء کے فرائض بھی انجام دے سکے تاکہ دینی معاملات اور شریعت کی تعبیر و تشریح کے متنازعہ مسائل میں اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے کو مناسب وقعت و احترام حاصل ہو سکے۔

جزو «ج»

متفرق تجاویز

1 ۔ ملک کے تمام صوبوں میں کم از کم پرائمری سطح کی تعلیم تک نسخ رسم الخط جاری کیا جائے ۔ جو علاوہ قرآنی رسم الخط ہونے کے ملک کی اہم علاقائی زبانوں پشتو ، سندھی اور بلوچی وغیرہ کا رسم الخط بھی ہے ۔

2 ۔ ملک کے چار بڑے شہروں میں ایک ایک خواتین یونیورسٹی فوری طور پر قائم کی جائے ۔

3 ۔ امیر مملکت اور دوسرے آئینی عہدہ داروں کیلئے حلف کی عبارت وہ اختیار کی جائے جو بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ نے اپنی دستوری تجاویز میں مرتب کی تھی ۔

قومی سلامتی کونسل

4 ۔ ناگزیر ہنگامی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کیلئے کمیشن مناسب سمجھتا ہے کہ دستور میں ایک ایسی قومی سلامتی کونسل کی گنجائش رکھی جائے جو ہنگامی حالات کا اعلان کرے اور اس میں مناسب اقدام کرنے کے اختیارات رکھتی ہو ۔ اس کونسل کی ہیئت ترکیبی یہ ہو گی ۔

1 ۔ امیر مملکت۔

2 ۔ مجلس شوریٰ کے دونوں ایوانوں کے سربراہ ۔

3 ۔ عدالت عظمیٰ اور وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس صاحبان ۔

4 ۔ دفاع ، خارجہ ، قانون ، داخلہ اور اطلاعات کے وفاقی وزراء ۔

5 ۔ محتسب اعلیٰ ۔

6 ۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ۔

7 ۔ تینوں مسلح افواج کے سربراھاں ۔ البتہ قومی سلامتی کونسل کا ہر فیصلہ اپنے نفاذ سے تیس روز کے اندر اندر دستور 1973ء کی متعلقہ

دفعات کے مطابق مجلس شوریٰ کی توثیق کیلئے اس کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں پیش کیا جائے گا اور نامنظوری کی صورت میں فی الفور کالعدم ہو جائے گا ۔

کمیشن کی سفارشات پر عمل درآمد کا طریق کار

کمیشن کی تمام سفارشات پر عمل درآمد کیلئے کمیشن مندرجہ ذیل تجاویز پیش کرتا ہے :

1 ۔ ان سفارشات پر عمل درآمد کیلئے نیا دستور بنانے کی بجائے ان کو 1973ء کے دستور ھی میں بذریعہ ترامیم سمو دیا جائے ۔

2 ۔ ترمیم شدہ دستور 12 ربیع الاوّل 1404ھ سے نافذ کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ھی صوبائی اور مرکزی شوریٰ کے انتخابات کا نظام الاوقات مشتہر کر دیا جائے ۔

3 ۔ مناسب یہ ہے کہ اکتوبر 1984ء تک صوبائی اور مرکزی مجالس شوریٰ کا انتخاب مکمل ہو جائے اور اس کے بعد امیر مملکت کے انتخاب کیلئے تاریخ کا اعلان کر دیا جائے ۔

باب ششم

صوبوں کی تشکیل جدید

1 ۔ پاکستان کی گزشتہ پنتیس سالہ سیاسی اور دستوری تاریخ اور اس کے نشیب و فراز میں صوبائیت کا مسئلہ خاصی پیچیدگیوں اور دشواریوں کا موجب رہا ہے ۔ صوبوں کی تعداد ' ان کے حقوق و اختیارات ' مرکز اور صوبوں کے باھمی تعلقات ' مختلف صوبوں کی مرکز میں نمائندگی وغیرہ جیسے مسائل نہ صرف دستور سازی میں رکاوٹ بنتے رہے ہیں ' بلکہ مختلف اوقات میں جو دستوری بحران پیدا ہوتے رہے اور بالآخر پاکستان کے دو لخت ہونے تک نوبت پہنچی ' ان کی تہہ میں بھی یہی عنصر سب سے زیادہ کار فرما رہا اور تخریبی قوتوں کو پاکستان کی وحدت و سالمیت پر ضرب لگانے کے لئے اسی مسئلے سے خام مواد ملتا رہا ہے ۔

2 ۔ صوبوں کے مسئلے میں آئینی پہلو کے علاوہ ایک اور پہلو جس سے اس مسئلے کا جائزہ لینا ضروری ہے وہ مفاد عامہ کے نقطہ نظر سے انتظامی پہلو ہے ۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آیا ہماری موجودہ صوبائی حد بندی عوام کے لئے سہولت اور رحمت کا سبب ہے یا اس کے برعکس-ایک زمانہ تھا جب پورے مغربی پاکستان کو ایک صوبے کا درجہ دے دیا گیا تھا ۔ یہ انتظامی وحدت شاید اپنے حجم کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھی ۔ تا ھم کیا اس وحدت کی چار حصوں میں تقسیم نے تمام انتظامی شکایتوں کا ازالہ کر دیا ؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ صورت سابقہ کے مقابلے میں مفاد عامہ اور انتظامی کارکردگی کے لحاظ سے بہتر ہے ۔ لیکن کیا ملکی حالات اور دنیا کے دوسرے ممالک کے تجربات کے پیش نظر یہ ایک اطمینان بخش صورت ہے ؟ اس کا جائزہ لینے کے لئے ھمیں اس مسئلے پر زیادہ تفصیل سے غور کرنا ہوگا ۔

3 ۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کی صوبائی تقسیم ایک نو آبادیاتی طاقت کے سیاسی اور معاشی مصالح کی مرہون منت ہے جس میں عوام کی فلاح و بہبود اور سہولت کو بنیادی اھمیت حاصل نہیں ہے ۔ اور یہ تقسیم بھی پاکستان کے رقبے اور آبادی کے پیش نظر نہیں کی گئی تھی ' بلکہ برصغیر کے مجموعی رقبے اور آبادی کی نوعیت اور اس کے حجم کے لحاظ سے عمل میں لائی گئی تھی ۔ لیکن دلچسپ بات یہ

ہے کہ برصغیر میں ہمارے ہمسایہ ملک نے جو آزادی کے وقت کل سات صوبوں اور متعدد ریاستوں پر مشتمل تھا قومی مفاد کے پیش نظر ملک کو اکتیس صوبوں اور ذیلی صوبوں میں تقسیم کر دیا ۔ اس کے برعکس ہم نے تمام ریاستوں اور پولیٹیکل ایجنسیوں کو ضم کر کے اپنے صوبوں کو وسیع تر رقبے کے ساتھ برقرار رکھا ۔ رقبے میں اس وسعت نے ان صوبوں کو ایک اور مسئلے سے دو چار کر دیا اور وہ یہ کہ ان کی آبادی ان کے رقبے سے مناسبت نہیں رکھتی جس کا ہم آگے چل کر جائزہ لیں گے ۔

4۔ یہ ذکر بھی نامناسب نہیں ہو گا کہ صوبوں کے اس عدم توازن کو لوگ محسوس کرتے رہے ہیں اور ان کی تعداد میں اضافے کی افادیت و ضرورت کی جانب بھی عرصے سے اہل پاکستان کا ذہن متوجہ ہوتا رہا ہے ۔ اخبارات اور رسائل میں بھی ایسے مراسلات و مضامین آتے رہے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ صوبوں کی تعداد بڑھنی چاہیے ، بلکہ ہر ڈویژن کو صوبے کا درجہ ملنا چاہیے ۔ ضمیمہ نمبر 4 میں بطور مثال ایسے چند مضامین کے حوالے درج ہیں۔

5 ۔ کوئی معقولیت پسند انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ صوبائیت کے مسئلے نے ملک میں عصبیت کو غیر معمولی فروغ دے کر گوناگوں مسائل و مشکلات پیدا کر دیے ہیں اور اس کی حیثیت ایک ایسے ام المسائل کی ہو گئی ہے جس کے صحیح ، مناسب اور معقول حل پر دوسری بہت سی مشکلات کے حل کا بڑی حد تک دار و مدار ہے ۔ اس لعنت کی وجہ سے ملک کے مختلف حصوں کے مابین مغائرت ، بے اعتمادی ، عدم تعاون اور عدم یک جہتی کے رجحانات خطرناک حد تک بڑھتے جا رہے ہیں ۔ اور باقی ماندہ پاکستان کے صوبوں کی ناہمواری کے باعث چھوٹے صوبوں میں اپنی مغلوبیت یا بے اثری کا صحیح یا غلط احساس نمایاں سے نمایاں تر ہو رہا ہے اور اندرونی و بیرونی تخریبی قوتوں کی طرف سے اس کو خوب ہوا دی جا رہی ہے تا کہ علیحدگی پسندی کے رجحانات کو تقویت پہنچے اور پاکستان کی رہی سہی سالمیت کو تہس نہس کیا جا سکے ۔ (منجملہ اور اہم اسباب کے یہی صورت حال مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا ایک بڑا سبب بنی ۔) ۔ مشرقی پاکستان کے سانحے کے بعد بھی اگر ہم نے حقیقت پسندی سے جائزہ لے کر اس مسئلے کا دانش مندانہ اور عادلانہ حل نہ نکالا تو باقی ماندہ ملک کی وحدت و سالمیت اور بقا و استحکام کے لیے شدید خطرات پیدا ہو سکتے ہیں ۔

6 ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ دوسرے ممالک میں بھی صوبے موجود ہیں اور وفاقی طرز حکومت رائج ہے ۔ پھر وہاں یہ مسائل ایسی سنگینی کیوں نہیں اختیار کرتے ؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ منجملہ دیگر عوامل کے دوسرے ممالک میں ، بالخصوص وفاقی طرز حکومت والے ممالک میں ، صوبوں کی تعداد نہ اتنی مختصر ہے نہ عام طور پر صوبوں کی آبادیوں ، رقبوں اور ترقیات کی سطح میں اتنا تفاوت ہے جتنا ہمارے یہاں ہے ۔ مثلاً ہمارا ایک صوبہ آبادی کے لحاظ سے پانچ فیصد ہے مگر رقبے کے لحاظ سے ملک کا بیالیس فی صد ہے ۔ دنیا کے مختلف ممالک کے جائزے کی روشنی میں یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں خصوصاً کسی وفاقی نظام رکھنے والے ملک میں صوبے اتنی کم تعداد میں نہیں ہیں جتنے ہمارے یہاں ہیں جیسا کہ ضمیمہ نمبر 5 کے مطالعے سے واضح ہے ۔ سنہ 1951ء میں لیبیا آزاد ہوا تو اس کے تین صوبے قرار پائے اور وفاقی طرز حکومت کو اختیار کیا گیا ۔ صوبوں کی مابین نیز صوبوں اور مرکز کے مابین بارہ تیرہ سال کی کش مکش اور پریشان کن تجربوں کے بعد بالآخر سنہ 1963ء میں صوبوں کی تعداد تین سے بڑھا کر دس کر دی گئی ۔ اسی طرح نائجیریا میں کچھ عرصہ پہلے یہی صورت حال تھی اور وہ بھی اسی قسم کے بحران کا شکار تھا ۔ چنانچہ نائیجیریا نے بیافرا کے بحران سے عہدہ برآ ہوتے ہی سب سے پہلے اس کے اسباب و علل کا گہرا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اصل سبب وہاں کے صوبوں کے حجم کی زیادتی اور صوبائی یونٹوں کی تعداد کی کمی ہے ۔ انہوں نے پہلی فرصت میں اس خرابی کو دور کر دیا اور صوبوں کی تعداد تین سے بڑھا کر انیس کر دی ۔ اور اب اس عدم توازن کی پیدا کردہ پریشانیوں سے نجات پا گئے ہیں ۔

7 ۔ مزید برآں جب ہم اسلامی نقطۂ نظر سے اس مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں تو بھی ہمیں اسی نتیجے پر پہنچنا پڑتا ہے جس پر اھل لیبیا و نائجیریا پہنچے ہیں ۔ فقہ اسلامی کا ایک اصول یہ ہے کہ اگر کوئی عمل یا کوئی اقدام کسی اچھی اور پسندیدہ چیز کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ بن رہا ہے تو وہ بھی اچھا اور پسندیدہ قرار پائے گا اور فتح الذریعہ کے قاعدے سے اس کا حصول بھی ضروری ہو گا ۔ اسی طرح اگر کوئی فعل یا کوئی اقدام کسی غلط کام اور ناپسندیدہ نتائج کا ذریعہ یا سبب بن رہا ہے تو وہ بھی غلط اور ناپسندیدہ قرار پائے گا اور سد الذریعہ کے قاعدے سے اس

کو ممنوع قرار دیا جائے گا۔ اس کا دارو مدار ان نتائج پر ہے جو کسی فعل سے پیدا ہو رہے ہیں۔ مثلاً ایک فعل کسی فرض یا واجب کی انجام دہی کا واحد ذریعہ یا وسیلہ ہو تو خود اس فعل کی انجام دہی فرض اور واجب ہو گی۔ چاہے اپنی جگہ وہ فعل فرض یا واجب نہ ہو۔ اس قاعدے کو فقہاء نے ان الفاظ میں مرتب کیا ہے :

«ما لا یتم الواجب الابہ فھو واجب»

(جس چیز کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو، وہ خود واجب ہے)

اسی طرح اگر وہ فعل مستحب یا مکروہ یا حرام ہے تو جو چیز یقینی طور پر اس کا وسیلہ اور ذریعہ بن رہی ہے وہ بھی اسی طرح مستحب، مکروہ یا حرام ہو گی۔ مثال کے طور پر کسی کا ھدیہ قبول کرنا اپنی جگہ ایک جائز، بلکہ پسندیدہ فعل ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ھدیہ قبول کرنے کی ترغیب فرمائی ہے۔ لیکن ایک حاکم اور قاضی کے لیے ھدیہ قبول کرنا جائز نہیں ۔ اس لیے کہ عام مشاھدہ ہے کہ یہ جائز اور پسندیدہ چیز رشوت اور حرام خوری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اسلامی قانون کے اس اصول کو سامنے رکھ کر جب ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ صوبائی ڈھانچے نے پاکستان اور اھل پاکستان کے لیے بے شمار مسائل پیدا کیے ہیں، ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارا پارا کرنے میں اس کا اھم حصہ رہا ہے اور ملک کو ایک صحیح دستوری رخ پر ڈالنے میں یہ مسئلہ بڑی رکاوٹ رہا ہے تو ہمیں اس نتیجے تک پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگانی چاھیے کہ موجودہ سیاسی ڈھانچے کو تبدیل کرنا عین مقتضائے مصلحت ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے نہایت مستحسن و مطلوب ہے۔ یہ اقدام ایسے فتنے کے ازالے کی راہ ہموار کر دے گا جو اس مملکت اسلامی کی بقاء کے لیے روز افزوں خطرے کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

8۔ اسی طرح ھم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے مختلف ممالک طویل تجربے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ایک وفاقی طرز حکومت کی کامیابی کی بنیادی اور لازمی شرط یہ ہے کہ وفاقی اکائیاں چھوٹی ہوں اور اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے اور اپنے مسائل حل کرنے کے لیے ان کے باشندوں کو خاطر خواہ اختیارات، مواقع اور سھولتیں حاصل ہوں۔

9 ۔ اسلامی قانون کا ایک اہم اصول رفع حرج اور درء مفاسد ہے ۔ ارباب حکومت پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ لوگوں کی ہر تکلیف اور مشقت کو ممکنہ حد تک دور کیا جائے ۔ مقاصد شریعت کے حصول میں اگر کوئی رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے تو اس کا ازالہ کیا جائے ۔ اس اصول کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے مثبت فوائد اور منافع کے حصول کے مقابلے میں تکالیف کو دور کرنا اور مفاسد کا ازالہ کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے ۔ فقہ کا یہ اصول ہے کہ « درء المفاسد اولی من جلب المنافع » (یعنی مفاسد کا انسداد حصول منافع پر مقدم ہے) ۔

10 ۔ ان اجتماعی اور قومی مفاسد کے علاوہ جو اوپر بیان ہوئے ہیں موجودہ صوبائی ڈھانچے سے بہت سے ایسے مسائل بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جن سے ایک عام آدمی کو بڑی دقتیں پیش آتی ہیں ۔ مثال کے طور پر پسنی اور گوادر یا لسبیلہ کے رہنے والے ایک شخص کو اپنے آئے دن کے مسائل میں کوئٹہ کا دور دراز سفر کر کے صوبائی حکومت سے رجوع کرنا پڑتا ہے یا ڈیرہ غازی خان کے ایک گاؤں میں متعین اسکول ماسٹر کی ترقی و تنزلی اور تبادلے کے مسائل کے لیے لاہور کے صوبائی دفاتر کے چکر لگنے کے لئے سفر کی تکلیف و اخراجات کا بار اٹھانا پڑتا ہے ۔ ابھی ماضی قریب تک ہائی کورٹ بھی محض صوبائی دارالحکومتوں میں اجلاس کیا کرتے تھے اور بے شمار افراد کو ، جن کے مقدمات ھائی کورٹوں میں کثرت سے زیر سماعت ہوتے تھے ، زر کثیر صرف کر کے صوبائی دارالحکومتوں کا سفر کرنا پڑتا تھا ۔ حکومت نے عوام کی ان مشکلات کے پیش نظر ھائی کورٹوں کی اس غیر ضروری مرکزیت کو ختم کر کے جا بجا ڈویژن بینچ قائم کر دیے ہیں ۔ رفع حرج کے نقطۂ نظر سے یہ ایک نہایت مستحسن اور پسندیدہ اقدام ہے ۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ صوبائی انتظامیہ کے اختیارات کو بھی ڈویژن کی سطح پر لے آیا جائے ۔ عوام کے اکثر مسائل کا تعلق عدلیہ سے کہیں زیادہ انتظامیہ سے ہوتا ہے ۔

11 ۔ انتظامی اختیارات کے عدم ارتکاز اور ایک عام آدمی کی سہولت کی خاطر اس کی پہنچ کے اندر اندر سرکاری حکام کا تعین حکومت کا فرض ہے ۔ مشہور فقیہ شمش الدین خطیب شربینی (متوفی 977 نے اس پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے :

« فقہا کی رائے میں حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ قصر نماز کی مسافت کے بقدر فاصلوں پر ایک مفتی ضرور مقرر کرے اور ہر علاقے میں ایک قاضی زیادہ

سے زیادہ اتنے فاصلے پر ضرور مقرر ہونا چاہیے کہ کوئی صاحب معاملہ صبح دار القضاء جا کر شام کو گھر واپس آ سکے» *

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسم نے اہل نجران سے جو معاہدہ کیا تھا اس ہیں منجملہ دیگر سہولتوں اور رعایتوں کے یہ بھی کہا گیا تھا کہ انہیں خراج کی رقم جمع کرانے کے لیے کسی سفر کی زحمت نہ دی جائے گی ۔ محصلین خراج کی رقم ان کے گھروں پر جا کر وصول کر لیں گے ۔ نیز یہ کہ ان کے مقدمات و نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لیے ان کے علاقے کے اندر ھی عدالتی ادارے قائم کیے جائیں گے ۔ اس سلسلے میں انہیں سفر کی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان امور میں اسلامی قانون کا مزاج اور رجحان یہ ہے کہ حتی الامکان لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ آسانی اور سہولت پیدا کرنا حکام کا فرض ہے ۔ اس ضمن میں اسلامی قانون کا ایک بنیادی قاعدہ یہ بھی ہے : «التصرف علی الرعیه منوط بالمصلحة» یعنی حکومت کو رعایا کے معاملات میں تصرف کرنے کا اختیار صرف اسی وجہ سے ہے کہ وہ ان کی مصلحت اور مفاد کے لیے کام کرتی ہے ۔ اس قاعدے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عوام الناس کی سہولت کو انتظامی امور میں بہت زیادہ اہمیت دی جائے ۔

12 ۔ اس ضمن میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ صوبوں کی تعداد میں اضافہ کرنے سے بعض دیگر مسائل پیدا ہوں گے ۔ اخراجات میں اضافے کا عذر بھی کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن یہ سب مقابلتاً چھوٹے مسائل ہیں ۔ اور اس بڑے مسئلے کے مقابلے میں جس کا تعلق پاکستان کی بقاء اور اس کی یک جہتی و سالمیت نیز عوام کی سہولت سے ہے ۔ ثانوی حیثیت رکھتے ہیں ۔ فقہ اسلامی کا اصول ہے «الضررالاکبر یزال بالضرر الاخف» یعنی یہ کہ کسی بڑے نقصان کو دور کرنے کی خاطر چھوٹا نقصان برداشت کیا جا سکتا ہے ۔ اسی طرح ایک اور اصول ہے « یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام» یعنی کسی عموسی نقصان کو رفع کرنے کے لیے کوئی محدود نقصان ہوتا ہو تو اسے برداشت کیا جانا چاہیے ۔ لہذا اگر کچھ مالی اور انتظامی مسائل کے پیدا ہونے کا خدشہ بھی ہو تو اس کی وجہ سے کسی ایسے اقدام سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا جو عامتہ الناس کی فلاح و بہبود ، پاکستان کی بقا، وحدت ، ترقی اور خوش حالی کے لیے ناگزیر ہو اور یہ تمام باتیں اسلامی شریعت کی رو سے نہایت اہم ہیں ۔

---

*مغني المحتاج ، جلد چہارم ، ص 210 ۔

13 - نئے صوبوں کا انتظامی ڈھانچہ

چونکہ کمیشن نے مرکز میں شورائی امارت کا نظام تجویز کیا ہے لہذا ان تمام اسباب و وجوہ اور تفصیلی دلائل کے پیش نظر جو امیر مملکت کے ضمن میں آچکے ہیں صوبوں کیلئے بھی کمیشن شورائی امارت کے نہج پر نظام تجویز کرتا ہے - یہاں ان تمام امور کو دھرانے کی ضرورت نہیں - فوری حوالہ کیلئے درج ذیل گزارشات مختصراً پیش کی جاتی ہیں -

1 - ہر صوبہ یاولایت کا ایک والی ہو گا - جو انہی اوصاف و شرائط کا حامل ہو گا جو امیر مملکت کیلئے ضروری ہیں -

2 - والی صوبہ ، صوبہ کے تمام نظم و نسق کا ذمہ دار ہو گا اور صوبہ / ولایت کا آئینی اور انتظامی سربراہ ہو گا -

3 - والی صوبہ کو دستور میں دیئے گئے احکام اور ملکی قوانین کے مطابق اپنے صوبہ میں اسی طرح کے انتظامی اختیارات حاصل ہوں گے جو امیر مملکت کو مملکت میں حاصل ہیں -

4 - والی صوبہ کے اختیارات انہیں تحدیدات سے محدود ہوں گے جن سے امیر مملکت کے اختیارات محدود ہیں -

5 - کمیشن کے بعض ارکان کی رائے میں والی صوبہ کا انتخاب کم وپیش اس طریقہ کار کے مطابق کیا جانا چاہئیے جو امیر مملکت کے انتخاب کیلئے بیان کیا جا چکا ہے - البتہ والی صوبہ کا انتخاب حسب ذیل انتخابی ادارہ کرے گا -

(الف) صوبائی مجلس شوریٰ کے ارکان ،

(ب) صوبہ کے تمام اضلاع کے منتخب ضلع کونسلوں کے ارکان -

متعدد ارکان نے مندرجہ بالا تجویز سے شدید اختلاف کیا اور حسب سابق مرکز سے والیوں کے تقرر کا طریقہ برقرار رکھنے پر اصرار کیا - تاہم قلت وقت کے باعث کمیشن اس مسئلہ پر اپنی بحث مکمل نہ کر سکا اور کسی حتمی رائے تک نہ پہنچ سکا -

6 - صوبائی مجالس شوریٰ کی ہیئت ترکیبی میں ان ملحوظات کو پیش نظر رکھا جائے گا جو مرکزی شوریٰ کے ضمن میں بیان کی جا چکی ہیں۔

7 - والی صوبہ اور مجلس شوریٰ کے تعلقات کی نوعیت کم و بیش وہی ہو گی جو مرکز میں امیر مملکت اور وفاقی مجلس شوریٰ کے ضمن میں بیان کی جا چکی ہیں۔

14 - صوبوں کی تعداد کیا ہو۔ ان کے سیاسی اور انتظامی ڈھانچے کی نوعیت کیا ہو۔ نظام جدید کے مالی مقتضیات اور ان کی تکمیل کی کیا صورت ہو، ان سوالات کے جواب کا انحصار اس پر ہے کہ حکومت اس تجویز کو کس حد تک قبول کرنے کو تیار ہے۔ کمیشن کے لئے اس کو دئیے گئے انتہائی محدود وقت میں ان تمام سوالات کا احاطہ کرنا نا ممکن ہے تاہم حکومت اگر اس تجویز کو قبول کرنے پر رضا مند ہو تو کمیشن تفصیلی رپورٹ تیار کر کے پیش کر سکتا ہے۔

15 - اس تجویز کے نہایت اہم مضمرات ہیں اور اس کے نفاذ کے ممکنہ نتائج کے بارے میں ارکان کے اندازے متفاوت تھے۔ بعض ارکان نے اس تجویز کو اصولی طور پر تسلیم کرنے کے باوجود اس کے فوری نفاذ کے بارے میں بعض خدشات کا اظہار کیا۔ کمیشن یہ محسوس کرتا ہے کہ حکومت اس تجویز کے عملی پہلوؤں اور ممکنہ نتائج کا اندازہ کرنے کے بارے میں بہتر پوزیشن میں ہے۔ لہذا کمیشن اس تجویز کو حکومت کی صوابدید پر چھوڑتا ہے۔

باب ہفتم

خلاصہ سفارشات

کمیشن نے اپنی رپورٹ میں نظام حکومت سے متعلق جو تجاویز اور سفارشات پیش کی ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اسلام کا شورائی نظام

اسلامی جمہوریہ پاکستان کیلئے برطانوی ، امریکی ، فرانسیسی یا کوئی اور نظام اختیار کرنے کے بجائے کمیشن اسلام کے شورائی نظام کے نفاذ کی پر زور سفارش کرتا ہے۔ البتہ تفصیلات و جزئیات مرتب کرنے میں اپنے یا دوسرں کے تجربات سے استفادے میں کوئی امر مانع نہیں۔

(الف) امیر مملکت

1 ۔ اسلامی شورائی نظام کے مطابق سربراہ مملکت ھی سربراہ حکومت ہو گا اور «امیر مملکت» کہلائے گا۔ اس کے اوصاف ، اختیارات ، فرائض اور اس کے طریق انتخاب و عزل کا مختصر خلاصہ درج ذیل ہے۔

امیر مملکت کی صفات و شرائط حسب ذیل ہوں گی۔

(الف) مسلمان ہو اور مرد ہو۔

(ب) کم از کم دس سال سے پاکستان کا شہری اور پاکستان میں سکونت پذیر ہو۔

(ج) عمر چالیس سال سے کم نہ ہو۔

(د) فہم و فراست اور جسمانی صحت کے اعتبار سے فرائض امارت بخوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(ہ) اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو۔

(و) فرائض کا پابند اور کبائر سے مجتنب ہو۔

(ز) قیام پاکستان کے بعد ملک کی سالمیت اور نظریہ پاکستان کی مخالفت نہ کی ہو۔

(ح) مجلس شوریٰ کا رکن بننے کی اہلیت رکھتا ہو۔

2۔ امیر مملکت کے فرائض حسب ذیل ہونگے۔

(الف) امیر مملکت نظم مملکت کا ذمہ دار ہو گا اور مملکت کے آئینی اور انتظامی سربراہ کی حیثیت سے جملہ فرائض انجام دے گا۔

(ب) امیر مملکت بلحاظ عہدہ ملک کی تمام مسلح افواج کا سپہ سالار اعلیٰ ہو گا۔

3۔ امیر مملکت کے اختیارات حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) امور مملکت کی انجام دہی کیلئے حسب ضرورت و صوابدید وزرأ مقرر کر سکے گا جو بالعموم ارکان شوریٰ میں سے ہونگے۔

(ب) جس زمانے میں مجلس شوریٰ کا اجلاس نہ ہو رہا ہو، امیر مملکت کو اختیار ہو گا کہ اہم ملکی مصالح کے پیش نظر فوری اہمیت کے کسی معاملے سے متعلق کوئی آرڈیننس جاری کر سکے، البتہ ایسا ہر آرڈیننس یوم نفاذ سے تین ماہ کے اندر اندر مجلس شوریٰ کے سامنے توثیق یا ترمیم کیلئے پیش کر دیا جائے گا۔ لیکن یوم نفاذ سے تین ماہ گزرنے کے بعد اس کی قانونی حیثیت خود بخود ختم ہو جائے گی امیر مملکت اسی مضمون یا مماثل اثرات کا حامل آرڈیننس اختتام میعاد مذکورہ سے تین ماہ کے اندر جاری نہیں کر سکے گا۔

4۔ امیر مملکت اپنے اختیارات کے استعمال میں حسب ذیل تحدیدات کا پابند ہو گا۔

(الف) امیر مملکت اپنے جملہ اختیارات کو قرآن و سنت کی بیان کردہ حدود و قیود کے اندر رہ کر استعمال کرے گا۔

(ب) امیر مملکت دستور کو کلاً یا جزواً معطل نہیں کر سکے گا۔

(ج) امیر مملکت کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ کسی بھی حالت میں مجلس شوریٰ کو توڑ سکے گا۔

(د) امیر مملکت جملہ شہری حقوق و فرائض میں عامۃ المسلمین کے برابر ہو گا اور قانون سے بالا تر نہ ہو گا۔ البتہ امیر مملکت کے خلاف قانونی کارروائی یا عدالتی چارہ جوئی حسب ذیل طریقہ کار کے مطابق ہو گی۔

امیر مملکت کے خلاف دعوی یا استغاثہ متعلقہ صوبے کی عدالت عالیہ میں دائر ہوگا جو امیر مملکت کو طلب کئے بغیر اس کی ابتدائی سماعت کرے گی اور ضروری ہو تو سرسری شہادت قلمبند کرے گی۔ اگر عدالت عالیہ اس نتیجے پر پہنچے کہ امیر مملکت کو طلب کرنے کا جواز موجود نہیں تو اسے خارج کر دے گی۔ اگر جواز موجود ہو تو امیر مملکت کو طلب کرے گی اور بعد ازاں کارروائی حسب قانون مروجہ ہو گی اور امیر مملکت عدالتی فیصلے کا پابند ہو گا۔ البتہ ہر دو فریق کو عدالت عظمٰی میں اپیل کا حق حاصل ہو گا اور اس صورت میں عدالت اپیل کا فیصلہ قطعی اور قابل عمل و پابندی ہو گا۔

(ہ) امیر مملکت مرکزی مجلس شوریٰ کے فیصلوں کا پابند ہو گا تاہم اگر اس کو شوریٰ کے کسی فیصلے سے اتفاق نہ ہو تو وہ اس فیصلے کی وصولی کے پندرہ یوم کے اندر اندر ان اسباب کی نشاندھی کے ساتھ جن کی وجہ سے اس کو شوریٰ کے اس فیصلہ سے اتفاق نہیں ہے وہ فیصلہ شوریٰ کو واپس بھیج سکے گا لیکن اگر مجلس شوریٰ اپنے سابقہ فیصلے کو دوبارہ کل ارکان کی دو تہائی اکثریت سے برقرار رکھے تو امیر مملکت اس کا پابند ہو گا کہ یا تو وہ اس فیصلے کی توثیق کرے یا بصورت دیگر مستعفی ہو جائے۔

امیر مملکت کا انتخاب حسب ذیل طریقہ کے مطابق عمل میں آئے گا۔

(الف) امیر مملکت کا انتخاب مرکزی مجلس شوریٰ اور صوبائی مجالس شوریٰ کے جملہ ارکان پر مشتمل انتخابی ادارہ کے ذریعہ ہو گا۔

(ب) اس منصب کے لئے کسی فرد کا نام مرکزی مجلس شوریٰ کے کم از کم دس ارکان تجویز کریں گے جن کی تائید صوبائی مجلس شوریٰ کے کم از کم دس ارکان کریں گے۔

(ج) تجویز شدہ افراد میں سے انتخابی ادارہ امیر مملکت کا انتخاب کم از کم پچپن فیصد اکثریت سے کرے گا۔ تجویز شدہ فرد ایک ہو یا ایک رہ جائے تو وہ بلا مقابلہ منتخب قرار دیا جائے گا۔

(د) یہ بات صوبائی اور مرکزی مجالس کے انتخاب سے پہلے عام رائے دھندگان کی واقفیت کیلئے پوری طرح مشتہر اور واضح کر دی جائے گی کہ ان مجالس کے ارکان ھی امیر مملکت کے انتخاب کیلئے انکے وکیل اور انکی طرف سے مجاز و مختار متصور ہونگے۔

6۔ منتخب امیر مملکت اپنے انتخاب کے بعد پہلے جمعہ کو نماز جمعہ سے قبل اپنے منصب کا حلف اٹھائے گا اور قوم سے خطاب کرے گا۔

7۔ امیر مملکت کے حلف اٹھانے کے بعد مرکزی و صوبائی مجالس شوریٰ کے ارکان امیر مملکت سے بیعت اطاعت اور حلف وفاداری اٹھائیں گے۔

8۔ امیر مملکت کے منصب کی میعاد تاریخ حلف برداری سے پانچ سال ہو گی۔

9۔ کوئی فرد دو بار سے زیادہ منصب امارت کیلئے منتخب نہیں ہو سکے گا۔

10۔ امیر مملکت کی ملک سے غیر حاضری یا ایسی معذوری میں جس میں وہ عارضی طور پر کام کرنے کے قابل نہ رہے قائمقام امیر مملکت بطور امیر فرائض انجام دے گا۔

11۔ وفات، استعفاء یا علیحدگی کی صورت میں نئے امیر مملکت کا انتخاب چار ماہ کے اندر حسب ضابطہ مذکورہ فقرہ نمبر 5 عمل میں آئے گا اور اس کی حلف

برداری تک قائمقام امیر مملکت بطور امیر فرائض انجام دے گا ۔

12۔ حسب ذیل صورتوں میں امیر مملکت کو اس کے منصب سے علیحدہ کیا جا سکے گا ۔

(الف) قرآن و سنت کے احکام کی صریح نافرمانی اور خلاف ورزی پر ۔

(ب) آئین کی صریح خلاف ورزی پر ۔

(ج) فقرہ نمبر 1 میں بیان کردہ امیر کے اوصاف و شرائط میں سے کسی وصف یا شرط کے زائل ہونے پر ۔

(د) کسی سنگین بد عنوانی پر جو اس عظیم منصب کے وقار یا ملک و ملت کے مفاد کے منافی ہو ۔

13۔ مندرجہ بالا الزام یا الزامات کی بنیاد پر امیر مملکت کو اس کے منصب سے علیحدہ کرنے کی تحریک مرکزی مجلس شوریٰ کے کسی ایوان کے کم از کم ایک تہائی ارکان اپنی دستخطی تحریر کے ذریعے متعلقہ ایوان میں پیش کر سکیں گے جس کی مصدقہ نقل امیر مملکت کو بھیج دی جائے گی اور دس روز کے اندر امیر مملکت اپنی وضاحت متعلقہ ایوان کو بھیج سکے گا ۔

14۔ مرکزی اور صوبائی مجالس شوریٰ کا مشترکہ اجلاس ایوان بالا کا صدر طلب کرے گا اور اس اجلاس میں اس تحریک پر بحث ہو گی جس کے دوران امیر مملکت اصالتاً یا وکالتاً پیش ہو کر اپنا موقف پیش کرنے کا حقدار ہو گا ۔

15۔ اس مشترکہ اجلاس میں بحث کے اختتام پر رائے شماری ہو گی ۔ اگر ارکان مجالس شوریٰ مذکورہ اپنی دو تہائی اکثریت سے تحریک منظور کر لیں تو امیر مملکت کو معزول قرار دیا جائے گا ۔

(ب) مجلس شوریٰ

16۔ مرکزی مجلس شوریٰ ایوان زیریں اور ایوان بالا کے دو ایوانوں پر مشتمل ہو گی ۔

17 ۔ مرکزی مجلس شوریٰ کا ایوان زیریں آبادی کے تناسب سے پورے ملک کے حلقہ ھائے انتخاب سے چنا جائے گا اور ایوان بالا صوبوں کی مساوی نمائندگی کے اصول پر منتخب ہو گا ۔

مرکزی مجلس شوریٰ کے ایوان زیریں نیز صوبائی مجالس شوریٰ کے ارکان کی تعداد کا تعین تازہ ترین مردم شماری کے اعداد و شمار کی بنیاد پر ہو گا ۔

18 ۔ مجالس شوریٰ کے ہر مسلم رکن کیلئے لازمی ہو گا کہ وہ مندرجہ ذیل اوصاف کا حامل ہو :

(الف) باکردار مسلمان ہو اور اسلامی احکام سے انحراف کی شہرت نہ رکھتا ہو۔

(ب) اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو اور فرائض کا پابند اور کبائر سے مجتنب ہو ۔

(ج) گریجویٹ ہو یا کسی مستند دینی درسگاہ کا فارغ التحصیل ہو ۔

(د) اس کی عمر 25 سال سے کم نہ ہو۔

(ہ) کسی اخلاقی جرم میں یا جھوٹی گواھی دینے میں سزا یافتہ نہ ہو ۔

(و) پاکستان کا شہری ہو ' اور اسکا نام انتخابی فہرست میں شامل ہو ۔

(ز) قیام پاکستان کے بعد ملک کی سالمیت اور نظریہ پاکستان کی مخالفت نہ کی ہو ۔ البتہ غیر مسلم ارکان شوریٰ صفات و شرائط (الف) اور (ب) سے مستثنیٰ ہوں گے مگر انکے لئے ضروری ہو گا کہ اخلاق و کردار میں ان کی عام شہرت اچھی ہو ۔

19 ۔ خواتین کے لئے مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ یہ بھی ضروری ہو گا کہ :

(الف) ان کی عمر کم از کم پچاس سال ہو ۔

(ب) اگر شوھر حیات ہو تو اس کا تحریری اجازت نامہ ہو ۔

20 ۔ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ خواتین ہر حلقے سے منتخب ہو سکیں گی اور اس کے علاوہ مزید دس سال کیلئے ایوان میں عمومی ارکان کی تعداد کے پانچ فیصد کے تناسب سے ان کی علیحدہ نشستیں مخصوص کی جائیں گی ۔

21 ۔ خواتین کی مخصوص نشستوں پر نامزدگی کیلئے ایک کونسل برائے نامزدگی خواتین تشکیل دی جائے گی ۔ یہ کونسل مقررہ تعداد سے دوگنی تعداد میں اوصاف بالا کی حامل خواتین کے نام تجویز کرے گی ۔ ان ناموں میں سے امیر مملکت مقررہ تعداد میں خواتین کو نامزد کر دے گا ۔

22 ۔ غیر مسلم افراد کا انتخاب غیر مسلم اقلیتوں کیلئے مختص نشستوں پر جداگانہ ہو گا ۔ یعنی شوریٰ میں ان کو ان کی آبادی کے تناسب سے نشستیں دی جائیں گی ۔ اگر کوئی غیر مسلم اقلیت بہت معمولی تعداد میں ہو تو اس کو کسی دوسری غیر مسلم اقلیت کے ساتھ ملا کر مشترک نشست دے دی جائے گی ۔

23 ۔ طریق انتخاب: مجالس شوریٰ کا انتخاب غیر جماعتی بنیاد پر عمل میں آئے گا ۔

24 ۔ «خود امیدواری» نظام کے بجائے «تجویز» کا نظام اختیار کیا جائے گا اور ہر حلقے سے ان افراد کو «تجویز شدہ» قرار دیا جائے گا جن کے نام کی تجویز اس حلقے کے کم از کم ایک فی دو ہزار ووٹر کریں ۔

25 ۔ ایوان زیریں اور صوبائی مجالس شوریٰ کے ارکان کا انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہو گا ۔

26 ۔ رائے دہندگان کی عمر کم سے کم اکیس سال ہو گی اس شرط کے ساتھ کہ وہ کبھی کسی عدالت میں جھوٹی گواہی کا مرتکب نہ ہوا ہو ۔

27 ۔ خود اپنے حق میں کنوسنگ اور انتخابی مہم کے تحت جلسے جلوس کرنے ممنوع ہوں گے البتہ صرف [redacted] انتخاب کی حد تک الیکشن کمیشن کے زیر اہتمام تعارفی مجالس منعقد کی جا سکیں گی ۔ نیز ہر تجویز شدہ فرد کو اخبارات ، ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے متعارف کرانے کے ممکنہ مواقع فراہم کئے جائیں گے ۔

28 - مروجہ یک رکنی حلقہائے انتخاب کے نظام کے بارے میں ارکان کمیشن کا عام تاثر تھا کہ یہ سادہ اور سہل ضرور ہے لیکن بے شمار قباحتوں کا حامل ہے ، ان قباحتوں کے ازالے کیلئے دو متبادل طریقے سامنے آئے - ایک کثیر رکنی حلقہائے انتخاب کا اور دوسرا انتخاب مکرر کا - کافی بحث و تمحیص ہوئی جس کے دوران دو تین ارکان نے مروجہ یک رکنی حلقہ انتخاب کو اولین ترجیح دی باقی ماندہ ارکان میں کچھ افراد کثیر الارکان حلقوں کے حق میں تھے - لیکن اکثریت نے اس تجویز کو بہتر قرار دیا کہ جس حلقے میں پہلے انتخاب کے نتیجے میں کسی فرد کو بھی 51 فیصد ووٹ حاصل نہ ہوں تو دو ایسے افراد کے مابین انتخاب کرا لیا جائے جو سر فہرست ہوں اور ان میں سے جس کو اکثریت حاصل ہو اس کو منتخب قرار دیا جائے -

عدلیہ

29 - مملکت کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ ہر باشندے کو مفت اور سہل الحصول انصاف بعجلت ممکنہ فراہم کرنے کا اہتمام کرے -

30 - عدلیہ مکمل طور پر آزاد ہو گی اور اس کے اختیار انصاف رسانی پر کوئی پابندی عائد نہ ہو گی -

31 - عدلیہ کو ایک سال کے اندر اندر ہر سطح پر انتظامیہ سے الگ کر دیا جائے گا -

32 - عدالت عظمیٰ اور ہر عدالت عالیہ کے چیف جسٹس کیلئے ضروری ہو گا کہ وہ با کردار مسلمان ہو اور اسلامی شریعت کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو - دوسرے ججوں کے تقرر میں بھی ان کی علمی قابلیت اور تجربے کے علاوہ ان اوصاف کو مد نظر رکھا جائے گا جو اسلام نے قاضی کیلئے ضروری قرار دیئے ہیں -

33 - عدالت عظمیٰ اور عدالت ہائے عالیہ کے اس اختیار پر کوئی پابندی نہ ہو گی کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف کسی قانون کو کالعدم قرار دیں -

34 - اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت کے ابتدائی اختیار سماعت پر اس وقت جو پابندیاں عائد ہیں اور جن کے تحت دستور ، ضابطے کے قوانین ، مالی قوانین

اور مسلم شخصی قوانین کو اس کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا گیا ہے ۔ انہیں فوراً ختم کر دیا جائے گا اور ہر قسم کے قوانین وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں داخل ہوں گے ۔

35 ۔ عدلیہ کی کارروائیوں کر مؤثر طور پر اسلامی سانچے میں ڈھالنے کیلئے ایسا انتظام کیا جائے گا کہ عدلیہ فقہ اسلامی کے مستند علماء سے بطور وکیل اور بطور جج مناسب طور پر استفادہ کر سکے ۔

رہنما اصول

36 ۔ مملکت کی پالیسیوں کے رہنما اصولوں کے تحت 1973ء کے آئین کی دفعہ 3، 34 اور 40 میں اسلامی احکام کی روشنی میں ترمیم کی جائے ۔

37 ۔ 1954ء کے مسودہ دستور میں جو رہنما اصول طے کئے گئے تھے ان کو بھی دستور میں سمویا جائے تا کہ رہنما اصول زیادہ جامع ہو جائیں ۔

38 ۔ علاوہ ازیں ملک کے تمام صوبوں میں کم از کم پرائمری سطح کی تعلیم تک خط نسخ جاری کیا جائے جو قرآنی رسم الخط ہونے کے علاوہ ملک کی دیگر علاقائی زبانوں مثلاً پشتو، سندھی، بلوچی وغیرہ کا رسم الخط بھی ہے ۔

39 ۔ ان رہنما اصولوں کی تعمیل کی نگرانی کیلئے وفاقی مجلس شوریٰ میں ایک خصوصی مجلس قائم کی جائے جو ہر سال کے اختتام پر حکومت کی کارکردگی کا جائزہ لے اور اگر کہیں ان اصولوں سے انحراف ہوا ہو تو مناسب باز پرس کرے ۔

اسلامی احکام اور متعلقہ ادارے

40 ۔ قرار داد مقاصد کو محض دستور کے دیباچے کی بجائے دستور کے متن میں شامل کرکے اسے دستور کا حصہ بنایا جائے تا کہ وہ بذریعہ عدالت قابل تنفید ہو اور واضح طور پر اس بات کی ضمانت ہو کہ ملک کا ہر قانون بشمول دستور، قرآن و سنت کے تابع ہو گا ۔ تمام دستوری اور قانونی دفعات کی وہی تعبیر معتبر ہو گی جو قرار داد مقاصد میں بیان کردہ اصولوں کے مطابق ہو اور اس سے متصادم تمام قوانین کالعدم ہوں گے ۔ کمیشن کی رائے میں اس غرض کے لئے اب کسی مدت کے انتظار کی ضرورت نہیں ۔

41 ۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کو 1956ء اور 1962ء کے دساتیر کی طرح دوبارہ دستوری ادارہ قرار دیا جائے ۔

42 ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ایک مستقل ادارہ قائم کیا جائے جیسا کہ 1954ء کے دستوری مسودے میں تجویز کیا گیا تھا۔

'قومی سلامتی کونسل

43 ۔ ناگزیر ھنگامی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کیلئے کمیشن مناسب سمجھتا ہے کہ دستور میں ایک ایسی قومی کونسل کی تشکیل کا اہتمام کیا جائے جو ھنگامی حالات کا اعلان کرنے اور اس میں مناسب اقدام کرنے کے اختیارات رکھتی ہو ۔ اس کونسل کی ہیئت ترکیبی یہ ہو گی ۔ 1 ۔ امیر مملکت 2 ۔ مجلس شوریٰ کے دونوں ایوانوں کے سربراہ ۔ 3 ۔ عدالت عظمیٰ اور وفاقی شرعی عدالت کے سربراھان ۔ 4 ۔ دفاع ' خارجہ ' قانون داخلہ اور اطلاعات کے وفاقی وزرأ ۔ 5 ۔ محتسب اعلیٰ ۔ 6 ۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا چیئرمین ۔ 7 ۔ تینوں مسح افواج کے سربراھان ۔

تاہم ایسے ہر اعلان کی توثیق تیس روز کے اندر اندر مجلس شوریٰ سے کرانا ہو گی ورنہ بصورت دیگر یہ اعلان کالعدم متصور ہو گا ۔

صوبوں کی تشکیل جدید

44 ۔ 1 ۔ لوگوں کو اپنے مسائل خود حل کرنے کے بہتر مواقع فراہم کرنے ' صوبائی عصبیت کے ازالہ میں مدد دینے ' روز مرہ ضروریات کی تکمیل میں ممکنہ حد تک وقت اور وسائل کی بچت کرنے اور عامتہ الناس کو بلا وجہ دور دراز سفر کی مشقتوں سے بچانے کے ضمن میں صوبوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کا معاملہ زیر غور آیا ۔ چونکہ اس کے مضمرات کے بارے میں کمیشن کے ارکان کے اندازے متفاوت تھے اس لئے طے پایا کہ یہ تجویز حکومت کو پیش کر دی جائے اور وہ اس کے مضمرات کا اپنے طور پر جائزہ لینے کے بعد اس کے بارے میں کوئی مناسب فیصلہ کرے ۔

2 ۔ صوبوں کے والی/گورنر کے لئے بھی وہی صفات و شرائط اور ضروری حد تک وہی اختیارات و تحدیدات ہوں گی جو امیر مملکت کے ضمن میں بیان ہوئی ہیں۔

طریق عمل درآمد

45 ۔ مذکورہ بالا سفارشات پر عمل درآمد کے لئے کمیشن مندرجہ ذیل تجاویز پیش کرتا ہے ۔

(1) ان سفارشات پر عمل درآمد کیلئے نیا دستور بنانے کے بجائے ان کو 1973ء کے دستور ھی میں بذریعہ ترمیم سمو دیا جائے ۔

(2) ترمیم شدہ دستور 12 ربیع الاول 1404ھ سے نافذ کر دیا جائے ۔ اور اس کے ساتھ ھی صوبائی اور وفاقی شوریٰ کے انتخابات کا نظام الاوقات مشتہر کر دیا جائے ۔

(3) مناسب یہ ہے کہ اکتوبر 1984ء تک صوبائی اور وفاقی مجالس شوریٰ کا انتخاب مکمل ہو جائے اور اس کے بعد امیر مملکت کے انتخاب کے لیے تاریخ کا اعلان کر دیا جائے ۔

(محمد ظفر احمد انصاری ۔ چیئرمین)
(جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری)

(جسٹس محمد تقی عثمانی)
(جسٹس (ریٹائرڈ) محمد افضل چیمہ)

(حاجی شیخ غیاث محمد)
(مولانا محمد مالک کاندھلوی)

(مولانا معین الدین لکھوی)
(علامہ سید محمد رضی مجتہد)

(بیگم سلمیٰ تصدق حسین) (الحاج اخوند زادہ بہر ور سعید)

(مفتی محمد حسین نعیمی) (ملک محمد رمضان)

(ڈاکٹر عبد الواحد ہالے پوتہ) (ڈاکٹر ضیاء الدین احمد)

(ڈاکٹر منیر الدین چغتائی) (جسٹس (ریٹائرڈ) قاضی محمد گل)

(مہدی علی صدیقی) (پروفیسر محمود احمد غازی)

(شیخ محمد اسد اللہ - ایسوسی ایٹ ممبر/سیکریٹری)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

Note of Dissent by Justice (Retd) Mohammad Gul

I very much regret to have to differ with some of the recommendations of the Commission. The points of difference, in my view, are of vital importance which I do not find it possible to overlook.

2. At the onset, it must be pointed out that I honestly feel, that some of the recommendations (noticed in the sequel) go beyond the limited mandate available to the present Regime *vide* the Supreme Court's judgement in Nusrat Bhutto's case, the Provisional Constitution Order (CMLA's Order No. 1, 1981), notwithstanding. These recommendations, so far as can be seen, are not essential for the process of Islamisation either, and when given effect to, their validity will be tested on the principle of State necessity. Besides, there can be no doubt, whatever, that Order No. 1 of 1981 as also CMLA's Order No. 1 of 1977 and all subsidiary orders made thereunder, will not survive the revocation of the Proclamation of the 5th July 1977, unless adequately protected by indemnity legislation to be brought in force immediately on the revocation of the Proclamation. A Presidential Order, independent of any power available under the 1973 Constitution will then be unavailing. And the Constitution does not reserve any such power to the President. This proposition is too, obvious to need any elaboration.

3. Therefore, to avoid any future complications and to ensure orderly transfer of power to Civil Government, it will be only prudent to make minimum changes in the Constitutional field which have also the general support of the citizenry. This alone will ensure early passage of indemnity legislation by the new Parliament.

POLITICAL PARTIES

4. One of the important questions debated in the Commission in a number of sessions extending over two days, concerned the "party system" in an Islamic polity. Those who canvassed for its abolition highlighted the

unhealthy and unceasing scramble for power which is the sole aim of parties, not to say of the corruption that the system has brought in its wake in the political life of the country since its creation. Some members attributed the dismemberment of the country as the direct outcome of the party politics. In their view but for the agitation mounted by Awami League in the Eastern Wing and the ignoble stand taken by the majority party in the Western Wing which was equally power hungry, the military disaster in 1971, could have been averted. Among the Ulema (not all) who opposed the "party system" also collaterally and inferentially relied upon the following Quranic verse which stressed the need for unity and deprecated fissiparous tendencies in the Umma :–

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (۳:۱۰۳)

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (۶:۱۵۹)

Some traditions of the Holy Prophet (PBUH) stressing the need of unity in the Umma were also referred. The Chairman, while winding up the discussion referred to certain writings of Muslim scholars and modern political thinkers to lend support to the evils of the party system and felt no hesitation to condemn it as repugnant to Islamic precepts.

5. It is however significant to point out that no verse from the Holy Quran directly bearing upon the point was referred. But it can be said at once, that the spirit of Islam is opposed to isolation and exclusiveness. Rather it enjoins and extols corporate activity for the betterment of society.

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (۵:۲)

is clarion call to the faithful. Again

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِينَ ۝ (۲:۲۵۱)

is also a pointer to a concert for supression of disorder. Therefore, it follows that in Islam, a party *per se* is not forbidden. Any concert in pursuit of (righteousness) is indeed laudable.

6. And even the writing of the Muslim scholars, (barring that of Maulana Abul'Ula Maududi) related to the period when representative

Governments of modern times were unknown. Therefore these writings are hardly relevant for our purpose and it is no secret that since the creation of Pakistan, the Jamat-i-Islami contested elections to the legislatures on party basis.

7. Those members who attributed the dismemberment of Pakistan to the omissions and commissions of political parties, indeed tried to oversimplify the matter. In essance the real cause lay much deeper, and began with the dismissal of Nazimuddin Ministry in 1953, followed by frequent imposition of Governors rule in what was then East Pakistan, and colourable sharing of power with the representative of that Province, at Centre. It is no wonder then, that the political elements in that Province were obsessed with consuming sense of deprivation. This was further accentuated with the imposition of Martial Law in 1958 and again in 1969, when the entire power of the State became concentrated in C.M.L.A., who wielded it from distance of about 1000 miles, at Rawalpindi.

8. It may be recalled that before the Shahabuddin Commission 1961, the then Government also canvassed for non party election. The Commission pooh-poohed the suggestion and observed :

> "We are unable to understand this proposal of banning political parties and allowing people, who find similarities in their approach, to exercise their basic right of freedom of association. Are we to understand that they can assemble and discuss amongst themselves as to who should be preferred in their particular locality, but are not bound to act in accordance with that decision? If that is so, there will be no organised expression of opinion as, in the absence of a party, there will be no preliminary selection of the candidates, limiting the choice to be made. There may well be a hundred candidates in a constituency and any of them succeeding at the polls would not, in any sense, be a real representative of the whole or even of a majority of that constituency. Parties carry on the processes of discovering, sifting, testing and choosing candidates.

XXX XXX XXX XXX

Lord Bryce, in his Modern Democracies', has dealt with the question of parties. After observing that political parties were far older than democracies, that they existed in nearly all countries and under all forms of Government, though less in monarchies than in oligarchies, and, after discussing the origin of several parties in different countries, he goes on to observe :–

XXX XXX XXX XXX

"Political philosophers have incessantly denounced parties, but none seems to have shown how they can either be prevented from arising or eliminated when they exist. I could never extract from Mr. Goldwin Smith, with all his mastery of history and political acumen, any answer to the question how representative Government could be carried on without them."

9. It is true that by and large, the performance of political parties has been disappointing; they have often been hand in glove with bureaucracy to subserve their own selfish ends. But, let us not forget that that it was a political party – the Muslim League, who with the Divine Mercy and under the able guidance of the Quaid-i-Azam got us Pakistan. And again in 1977 it were the political parties in opposition, who mounted an agitation to supplant a strongly entrenched dictatorial regime. In that behalf, reference could be made to another incident in the chequered political history of Pakistan. The first general election under the 1962 Constitution was conducted on non party basis. The then President, was unable to form the Ministry until law – the Political Parties Act, 1962 – was made over-night to allow the formation of political parties. Indeed the antagonists of the political parties were not able to name a single modern State with a representative Government without their being political party or parties to support it. Thus political parties are *sine qua non* for a representative Government.

10. Incidently banning of political parties would impinge upon "Freedom of Association", guaranteed by the 1973 Constitution. It will also violate the Declaration of Human Rights by the United Nations to which Pakistan is signatory state.

11. Finally, some members were unduly scared by the activities of certain secularists and leftist groups and stressed that if such elements were allowed to organize themselves into political parties and contest elections that would be risking the safety and integrity of Pakistan. I have no doubt, such fears are exaggerated if not altogether imaginary. For one thing, the Political Parties Act, 1962 as amended in 1977 and 1979 takes good care of such elements, and forbids the formation of any party to propogate against or acting in any manner prejudical to the "integrity of Pakistan or Islamic Ideology". Under the Act, registration is refused to such elements. If a political party already registered but is engaged in activity forbidden by the Act, then its case becomes referable to the Supreme Court for its dissolution and other consequential penal actions. NAP's case is in point.

12. Accordingly, we are of the considered view that nothing is to be gained by the abolition of political parties by an executive fiat. Rather their organization in pursuit of a programme beneficial to the society should be welcome and allowed to contest elections to effectuate their programme. If they fail to deliver goods or, misbehave, they will wither away and cease to exist.

وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (۱۷ : ۱۳)

(Only that survives on earth, which is beneficial to humanity). Unionists and Republicans which loomed so large in this part of the country are now consigned to limbo. This is inexorable law of nature.

FORM OF GOVERNMENT

13. There was general consensus that Presidential form of Government under which full executive authority is conceded to the President is more akin to the Islamic polity obtaining in the time of the Holy Prophet (PBUH) and his righteous Caliphs, than the parliamentary democracy envisaged in the 1973 Constitution. Lately, there has been disenchantment with parliamentary democracy and no less a person than Lord Hailsham, the present Lord Chancellor of England, the country of its origin, in all sad sincerity, described the defacto working of parliamentary democracy, as no better than "Elective Dictatorship". We too have had good taste of that in the recent past.

14. The pity however, is that the so called Presidential system under the 1962 Constitution also failed. In essance, it was neither parliamentary nor presidential though its combined in itself evils of the both.

15. However that may be, the matter be left to the decision of the future Parliament, which will be the proper forum to take decision on behalf of the country and supply the necessary machinery for the change over.

CREATION OF PROVINCES

16. The fissiparous tendencies among the smaller Provinces, according to some members was due to the dominant position of the Punjab in the political affairs of the country. It was stressed that the Punjab because of its large population and economic resources, which are greater by far, than those of the other three provinces put together, ensures this position of permanent dominance, which is repugnant to the broad principle of federation, by which the federating units are generally balanced, or at any rate there is no instance of that yawning imbalance in any modern federation. Instances of partition of certain provinces in India were also cited.

17. To rectify the situation, it was suggested that all revenue Divisions in the country should be made provinces. This will, it was stressed, not only be a balancing factor, but will also instil a sense of equal participation in the affairs of country in all the provinces, thus remove causes for malevolence.

18. Instances of partition of provinces in India are not in point. In all those cases partition was done on linguist basis, and not to remove any imbalances in areas or population. The suggestion if accepted, in stead of remedying the situation may also be counter-productive in that, the two smaller provinces, which are also economically backward will suffer further reduction in areas and economic resources. The administrative expenditure required to establish institutions which are necessary concomitant of a provincial administration, will rise manifold, which otherwise could be utilized for the development of these areas.

The suggestion is therefore not well conceived.

19. If at all, because of historical reasons, separation of Bahawalpur Division from the Punjab could be considered and if found financially viable, could be made a separate province.

20. Finally, it is difficult to agree to the various restrictions placed on the participation of women to contest elections. These restrictions are discriminatory on the basis of "sex alone" and therefore repugnant to Article 25(2) read with Articles 51 and 59 of Constitution. This is also not in keeping with the equality between sexes, in all matters other than those expressly excepted in the Holy Quran and the limitations proposed in the report are not within these exceptions.

Justice (Retd) Mohammad Gul

ضمیمے

ضمیمہ (ا)

قرار داد مقاصد۔1949ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ھی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اسکی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہو گا وہ ایک مقدس امانت ہے۔

مجلس دستور ساز نے جو جمہوریہ پاکستان کی نمائندہ ہے آزاد و خود مختار مملکت پاکستان کیلئے ایک دستور مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

جسکی رو سے جمہوریت۔ حریت۔ مساوات۔ رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں کو جسطرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے گا۔

جسکی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جسطرح کہ قرآن پاک و سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، ترتیب دے سکیں۔

جسکی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذھبوں پر عقیدہ رکھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

جسکی رو سے وہ علاقے جو اب تک پاکستان میں داخل یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاقیہ بنائیں گے جس کے صوبوں کو مقررہ اختیارات و اقتدار کی حد تک خود مختاری حاصل ہو گی۔

جسکی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت کی جائے گی اور ان حقوق میں جہاں تک کہ قانون و اخلاق اجازت دیں مساوات حیثیت و مواقع قانون کی نظر میں برابری۔ عمرانی۔ اقتصادی اور سیاسی انصاف۔ اظہار خیال عقیدہ دین۔ عبادت اور شرکت کی آزادی شامل ہو گی۔

جسکی رو سے اقلیتوں اور پسماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا۔

جسکی رو سے نظام عدل گستری کی آزادی پوری طرح محفوظ ہو گی۔

جسکی رو سے وفاقیہ کے علاقوں کی صیانت اس کی آزادی اور اسکے جملہ حقوق کا جن میں اسکے خشکی و تری اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں تحفظ کیا جائے گا۔

تا کہ اهل پاکستان فلاح و بہبود حاصل کریں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز و ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم برقرار رکھنے اور بنی نوع انسان کی ترقی و خوشحالی کیلئے پوری طرح کوشش کر سکیں۔

ضمیمہ (2)

اسلامی دستور کے 22 بنیادی نکات۔ 1951ء

اسلامی دستور کے وہ بائیس نکات جو جنوری 1951ء میں پاکستان کے مختلف مکتب فکر کے نمائندہ علماء نے متفقہ طور پر مرتب کر کے شائع کیے :

1۔ اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

2۔ ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہو گا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا نہ کوئی ایسا حکم دیا جا سکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

(تشریحی نوٹ) : اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیے جائیں گے۔

3۔ مملکت کسی جغرافیائی ، نسلی ، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ اصول اور مقاصد پر مبنی ہو گی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

4۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ کتاب و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے ، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اور متعلقہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مسلک کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

5۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاھلیہ کی بنیادوں پر نسلی ، لسانی ، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

6۔ مملکت بلاامتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا ، لباس ، مسکن ، معالجہ اور قیام کی کفیل ہوگی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگار ہوں یا بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

7 ۔ باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں ، یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو ، آزادی مذہب و مسلک، آزاد ی عبادت ، آزادی ذات ، آزادی اظہار رائے ، آزادی نقل و حرکت ، آزادی اجتماع آزادی اکتساب رزق ، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارت سے استفادہ کا حق ۔

8 ۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراھمی موقع صفائی و فیصلۂ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی ۔

9 ۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہو گی ۔ انہیں اپنے پیرووں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہو گا ۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے ۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہو گا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلے کریں ۔

10 ۔ غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت ، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہو گی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہو گا ۔

11 ۔ غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شریعت کے اندر جو معاھدات کیے گئے ہیں ان کی پابندی لازمی ہو گی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگان ملک برابر کے شریک ہوں گے ۔

12 ۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین ، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو ۔

13 ۔ رئیس مملکت ھی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہو گا ۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے ۔

14 ۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں ، بلکہ شورائی ہو گی ۔ یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض سرانجام دے گا ۔

15 ۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہو گا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے ۔

16 ۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہو گی وہ کثرت رائے سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہو گی ۔

17 ۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہو گا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہو گا ۔

18 ۔ ارکان و عمال حکومت اور عام شہریوں کے لئے ایک ھی قانون و ضابطہ ہو گا اور دونوں پر عام عدالتیں ھی اس کو نافذ کریں گی ۔

19 ۔ محکمہ عدلیہ ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہو گا تا کہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دھی میں ھیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو ۔

20 ۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہو گی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں ۔

21 ۔ ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے ۔ ان کی حیثیت نسلی ، لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں ، بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہو گی جنہیں انتظامی اختیارات کے پیش نظر مرکزی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہو گا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہو گا ۔

22 ۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہو گی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو ۔

ضمیمہ (3)

اسلامی بنیادوں پر انتخابات کا مجوزہ طریق کار

جولائی 1977ء سے پاکستان ایک غیر معمولی سیاسی صورت حال سے دو چار ہے اور وہ یہ کہ پاکستان کی مسلح افواج اپنے بنیادی کام دفاع وطن ' کے علاوہ ملک کے نظم و نسق کی ذمہ داری بھی سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال کو حتی الامکان جلد از جلد ختم ہونا چاہیے تاکہ فوج اور اس کی قیادت یک سوئی کے ساتھ اپنی توجہ اپنے بنیادی کام ' دفاع وطن سے تعلق رکھنے والے امور پر مرکوز کر سکے۔ سیاسی زندگی کو معمول پر لانے کا واحد مناسب طریقہ آزاد اور غیر جانب دارانہ انتخابات کا انعقاد ہے جس کے ذریعے ملک کے نظم و نسق کی ذمہ داری ان لوگوں تک منتقل کی جا سکتی ہے جنہیں جمہور کا اعتماد حاصل ہو۔ ساتھ ھی ملک و ملت کی خیر خواھی کا تقاضا ہے کہ انتخابات کے قوانین و ضوابط کی اصلاح اور رائے عامہ کی تربیت اس انداز پر کی جائے کہ جمہور اپنی قیادت کے لیے باکردار اور باصلاحیت افراد کو منتخب کر سکیں۔ بدقسمتی سے ہم کو ملک کے سابق بیرونی حکمرانوں سے ایک غیر اسلامی سیاسی نظام اپنی متعدد غیر اسلامی روایات کے ساتھ ورثے کے طور پر ملا ہے جس میں اب تک کوئی اصلاح نہیں کی جا سکی۔ مزید بدقسمتی کہ قوم میں پختہ شعور کی کمی ہے اور ہماری عام دینی اور اخلاقی سطح بھی تشویش ناک حد تک پست ہے۔ ان حالات میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیت مجموعی ملک کے سیاسی نظام اور خاص طور پر انتخابی قوانین و ضوابط میں اسلامی احساس و شعور کے ساتھ معتدبہ اصلاحات کی جائیں۔ دوسری طرف عوام کی تربیت بھی ضروری ہے تا کہ ان کے اندر سیاسی زندگی میں صحیح احساس ذمہ داری کے ساتھ اور تعمیری انداز میں حصہ لینے کا جذبہ اور اھلیت پیدا ہو سکے۔ اور وہ ملک کے لیے ایسی قیادت کا انتخاب کر سکیں جو بیک وقت کردار اور صلاحیت دونوں سے متصف ہو۔

ان تصورات کے پیش نظر ھم اپنی گزارشات کو دو حصوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ پہلا حصہ (الف) انتخابی قوانین و ضوابط کی اصلاح سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا حصہ (ب) رائے دھندگان کی صحیح تربیت و رہنمائی سے۔

(الف)

ملک کے موجودہ انتخابی نظام میں طرح طرح کے عیوب اور نقائص موجود ہیں جس کو اگر دور کر دیا جائے تو امید ہے کہ سیاسی زندگی میں صحت مند روایات کی داغ بیل پڑ سکے گی۔ دوسرے ملکوں کی طرح ہمارے ملک میں بھی انتخابات کے لیے «مہم» چلائی جاتی ہے۔ بہت بڑے پیمانے پر اور اخراجات کا بہت بھاری بوجھ اٹھا کر اور جلوس، پروپیگنڈا اور طرح طرح کی ہنگامہ آرائیاں کی جاتی ہیں۔ انتخابات کے کچھ تو وہ اخراجات ہیں جو سرکاری انتظامات وغیرہ کے سلسلے میں ہوتے ہیں اور جو ناگزیر ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ انتخابی مہموں پر امیدواروں اور ان کے حامیوں کی طرف سے بھی نہایت بھاری رقوم صرف ہوتی ہیں۔ کم سے کم ہمارے جیسے غریب ملک میں اس بات کا کوئی جواز نہیں معلوم ہوتا۔ یہی نہیں بلکہ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ انتخابات میں کامیابی کا دروازہ زیادہ تر انہی افراد کے لیے کھلتا ہے جو یا تو خود وافر سرمائے کے مالک ہوتے ہیں اور اسے اپنے انتخاب پر صرف کرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں، یا پھر ان کو ایسے افراد کی حمایت حاصل ہوتی ہے جو ان کو انتخابی مہم کے لیے وافر سرمایہ فراہم کر سکیں۔ پہلی صورت میں جو امیدوار اپنے ذاتی وسائل کو بے دریغ صرف کر کے اپنے حریفوں کے مقابلے میں زیادہ مؤثر انتخابی مہم چلا پاتے ہیں، وہ عموماً کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ان کی یہ کامیابی اخلاق و کردار اور صلاحیت سے زیادہ مادی وسائل کی مرہون منت ہوتی ہے اور یہ صورت حال سیاسی زندگی کے لیے کسی طرح صحت مند نہیں قرار دی جا سکتی یہ بات تو ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی انتخابی ادارے کی رکنیت کے لیے اپنی جیب سے کوئی بڑی رقم خرچ کرتا ہے تو کوئی معقول وجہ نہیں کہ منتخب ہونے کے بعد وہ اپنی رکنیت کو اپنی ذاتی منفعت کے لیے استعمال نہ کرے۔ اس کے برعکس یہ بالکل فطری بات ہو گی کہ وہ نہ صرف اپنا خرچ کیا ہوا سرمایہ کسی نہ کسی طریقے سے واپس وصول کر لے، بلکہ اس «اصل» کے ساتھ ساتھ خاصا معتد بہ «سود» بھی وصول کرے۔

لیکن اگر یہ صورت نہ بھی پیش آئے اور آدمی اپنے ذاتی وسائل کے بجائے کسی دوسرے فرد یا گروہ کے سرمائے کی مدد سے انتخابی مہم چلا کر منتخب ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ بالکل فطری امر ہے کہ وہ اپنے ان محسنوں کا ممنون احسان

رہے اور اپنے اثر و رسوخ کو ان کے مفادات کے تحفظ دینے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرے۔ غرض کہ موجودہ صررت حال با صلاحیت اور بے لوث افراد کے بجائے زر داروں اور زر داروں کے حمایت یافتہ افراد کے بر سر اقتدار آنے کی راہ ھموار کر دیتی ہے۔ اس طرح ملک کا سیاسی شعبہ بہت سے مخلص اور با صلاحیت افراد کی خدمات سے محروم رھتا ہے اور قیادت بے کردار اور نااھل ہاتھوں میں رہتی ہے۔ ہمارے نزدیک ملک کے انتخابی ضوابط کا ایک اھم مقصد یہ ہونا چاھیے کہ الیکشن کے تمام مصارف امیدواروں کے تعارف کرانے سے لے کر انتخاب کے دن تک تمام تر حکومت کی ذمہ داری ہو اور انتخابی مہم پر ایسی پابندیاں عائد کر دی جائیں کہ ملک انتخابی مہموں کے بھاری بھر کم مالی بوجھ سے محفوظ رہ سکے۔

انتخابات کے موجودہ طریق کار میں ایک اور خطرناک امکان بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ سیاسی طالع آزما اپنی انتخابی مہم چلانے اور سیاسی زندگی میں اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے مطلوبہ سرمایہ خفیہ طور پر بیرونی ممالک سے حاصل کریں۔ یہ امکان محض وھم و گمان کی چیز نہیں ، بلکہ اس بات کے کافی شواھد موجود ہیں کہ ہماری سیاسی زندگی کے متعدد نشیب و فراز کے پیچھے بیرونی طاقتوں کی ریشہ دوانیاں اور ان کا سرمایہ کام کرتا رہا ہے۔ خفیہ مالی امداد بیرونی طاقتوں کا ایک نہایت مؤثر ھتھیار ہے جسے استعمال کرنے کا موقع اگر ان کو مل جائے تو ھماری شہ رگ ان کے رحم و کرم پر ہو گی۔ بیرونی سرمایے کے زیر اثر دھماکہ خیز سانحوں میں تو کچھ وقت لگتا ہے۔ لیکن اس سے لوگوں کے کردار کو کھوکھلا اور ان کے ضمیر کو سردہ کر دینے میں زیادہ وقت بھی نہیں لگتا۔ اور اس طرح پوری سیاسی زندگی آلودہ ہونے لگتی ہے۔ اس سلسلے میں بیرونی ملکوں کو دوست اور دشمن کے خانوں میں بانٹ کر بعض لوگ اس طرز پر سوچ سکتے ہیں کہ پاکستان دوست ممالک سے خفیہ مالی امداد لینے میں کیا نقصان ہے۔ نقصان اگر ہے تو وہ پاکستان دشمن ممالک سے مالی مدد حاصل کرنے میں ہے۔ یہ طرز فکر بھی نہایت خطرناک ہے۔ اول تو خواہ دوست ملک سے خفیہ مدد ملے ، خواہ دشمن ملک سے ، ھر صورت میں لوگوں کے سیرت و کردار کھوکھلے ہو جائیں گے اور قومی زندگی سے اخلاص و بے لوثی کا رہا سہا عنصر بھی رخصت ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ مسئلے کا یہ پہلو بھی نہایت اھم ہے کہ اگر دوست ملکوں سے کسی نے خفیہ مالی مدد لینے کا راستہ کھولا تو پھر خفیہ بیرونی امداد کے دروازے بند کرنا محال ہو گا۔ اور دشمن ملکوں سے امداد

لینے کو نہیں روکا جا سکتا جس کے نتیجے میں ہمارے معاملات میں باہر کی مداخلت شدت سے بڑھتی جائے گی ۔

انتخابی مہموں کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اشخاص اور خاص طور پر پارٹیود کے مابین مقابلے کے دوران نفرت و عناد کا ایک طوفان امنڈ پڑتا ہے ۔ سیاسی اقتدار کی کشمکش میں پروپیگنڈا کی مشین آگ اگلنے لگتی ہے اور ملک متحارب کیمپوں میں بٹ کر رہ جاتا ہے ۔ یہ صورت حال خاصی حد تک 1970ء میں دیکھنے میں آئی اور پھر 1977ء میں اس نے ملک کو خانہ جنگی کے قریب پہنچا دیا تھا ۔ پاکستان میں جو کہ متعدد بین الاقوامی طاقتوں کی زد میں ہے اور جس کی سالمیت کو عرصۂ دراز سے بیرونی خطرات گھیرے ہوئے ہیں، وہ ایسی انتخابی مہموں کا متحمل نہیں ہو سکتا جو اندرون ملک ہنگامہ خون ریزی اور نفرت و عناد کی آگ پھڑکانے کا باعث بنیں ۔ انتخابی ضوابط کا ایک اہم مقصد یہ ہونا چاہیے کہ انتخابی مہم کو ایسے سخت ضوابط میں جکڑ دیا جائے کہ اس سے فتنوں کی آگ نہ بھڑک سکے ۔ انتخاب سے قبل اور اس کے دوران نہایت سکون اور سنجیدہ ماحول برقرار رکھا جائے اور موجودہ انتخابی مہم کے بجائے صرف اس کا انتظام کیا جائے کہ اسیدواروں سے رائے دہندگان اچھی طرح متعارف ہو سکیں ۔ اور وہ معلومات حاصل کر سکیں جو ان کے بارے میں ذمہ دارانہ طور پر رائے قائم کرنے میں رائے دہندگان کے لیے ممد و معاون ثابت ہوں ۔ اور یہ عمل پر سکون فضا میں انجام پا سکتا ہے ۔ اسی طرح ہمارا خیال ہے کہ اگر انتخابات غیر جماعتی بنیاد پر منعقد کیے جائیں تو اس سے بھی فضا کو پر سکون رکھنے میں مدد ملے گی اور امید ہے کہ وہ حدت نہ پیدا ہو سکے گی جو سیاسی پارٹیوں کی کشمکش کے دوران اکثر نمایاں ہوتی ہے ۔

خالص اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس نظام کا ایک اور بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں اسیدواری کو باقی رکھا گیا ہے دراں حالیکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ عہدہ و منصب کا اسیدوار نااہل ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عین برعکس ہمارے ہاں اسمبلی کی رکنیت اسی کو ملتی ہے جو اس کا خواهش مند، اس کا طالب و ساعی ہو اور اس کی خاطر زر کثیر خرچ کر کے اس کے لیے بڑی دھواں دھار انتخابی مہم چلاتا ہے ۔ اس صورت حال کو اگر ہم باقی رکھتے ہیں تو پھر یہ محض خام خیالی ہو گی کہ ہماری سیاسی زندگی کی باگ ڈور بے لوث اور مخلص افراد کے ہاتھ میں آ سکے گی ۔

مناصب حکومت کی خواہش و طلب جو خلق خدا کے بارے میں آدمی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑھا دیتی ہیں (یا موجودہ اصطلاح میں امیدواری) اس کا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہونا نہایت واضح ہے ۔ انتخابی اداروں کی ظاھری شکل تو بلا شبہ یہی ہے کہ امیدوار کے مجوز دوسرے لوگ ہوتے ہیں ' وہ خود نہیں ہوتا ۔ لیکن یہ بات کہ اس میں خواہش و طلب ہے یا نہیں ' اس کا اندازہ کنویسنگ سے ہوتا ہے ۔ اور پھر اس بات سے کہ وہ منتخب ہونے کے لئے اپنی جیب سے خرچ کرتا ہے ۔ عہدہ و منصب کی طلب کو اسلام کس نگاہ سے دیکھتا ہے ' اس کا اندازہ مندرجہ ذیل احادیث سے کیا جا سکتا ہے ۔

(1) حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ تم لوگ امارت کی حرص کرو گے ' حالانکہ یہ قیامت کے دن ندامت کا سبب ہو گی ۔ یہ کیا ھی اچھی دودھ پلانے والی اور کیا ھی بری دودھ چھڑانے والی ہے ۔ (بخاری ' نسائی اور احمد) یعنی اس کا آغاز دل کش ' لیکن انجام نہایت ھولناک ہے ۔

(2) حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دس یا اس سے زیادہ آدمیوں کے معاملات کا ذمہ دار ہے وہ قیامت کے روز اللہ تعالٰے کے حضور اس طرح آئیگا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے ۔ پھر یا تو اس کی نیکی اس کو آزادی دلائے گی یا اس کے گناہ اس کو ھلاک کریں گے ۔ (بخاری ' نسائی ' احمد) ۔

(3) انا و اللہ لا نولی علی عملنا ھذا احداً سالہ او حرص علیہ (بخاری و مسلم) ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم ' ھم اپنے اس منصب کو کسی ایسے کے سپرد نہ کریں گے جو اس کو طلب کرے یا اس کی لالچ رکھے ۔

(4) حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ دو آدمی میرے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ ایک نے کہا کہ ھم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمیں حکومت کے کسی منصب پر مقرر فرمائیں ۔ دوسرے نے بھی اسی قسم کی خواھش ظاھر کی ۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ان اخونکم عندنا من طلب (ہمارے نزدیک تم میں سب سے بڑا خائن وہ ہے جو کوئی عہدہ طلب کرے) ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ فلم لیتسعن بھما حتی مات ۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو اپنی وفات تک کوئی عہدہ نہیں سپرد فرمایا ۔ (ابو داؤد ' کتاب الخراج و الفئی و الامارۃ) ۔

(5) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے درخواست کی کہ مجھے حکومت کے کسی عہدے پر مقرر کیا جائے ۔ آنحضرت نے میرے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے جواب دیا ۔ ابوذر ' یہ بھاری امانت ہے اور تم ایک کمزور آدمی ہو ۔ قیامت کے دن یہ امانت ندامت اور رسوائی کا سبب ہو گی ' مگر اس شخص کے لیے جو اس کے حق کے ساتھ اس کو اٹھائے اور اس سلسلے میں جو ذمہ داریاں عاید ہیں ان کو ادا کرے ۔ (صحیح مسلم باب کراھۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ)۔

(6) حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن بن سمرہ ' امارت کے طالب نہ ہو ۔ اگر بن مانگے تمہیں ملی تو اس کام میں خدا کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی ۔ اور اگر اس کو مانگ کر لو گے تو تم اس کے حوالے کر دیے جاؤ گے ۔ (بخاری و مسلم) ۔

(7) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خود اس بات کا طالب ہوتا ہے کہ اس کو قاضی بنایا جائے ' اس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور جو شخص اس عہدے کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے اس پر ایک فرشتہ اترتا ہے جو اس کی رہنمائی کرتا ہے ۔ (رواہ الخسۃ الا النسائی)

بعض محترم حضرات کی طرف سے امیدواری کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اس کی مذمت میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس میں شدت اور مبالغہ ہے ۔ لہذا ہم نے اس موضوع سے تعلق رکھنے والی احادیث پیش کر دیں ۔ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ استثنائی حالات میں ' جب کہ ملک و ملت کا مفاد شدت سے مجروح ہو رہا ہو اور ایک آدمی خدا ترسی کے ساتھ محسوس کرے کہ اس کو آگے بڑھ کر کوئی ایسا منصب قبول کر لینا چاہیے جس کے ذریعے وہ ملت کو کسی بڑے ضرر اور فتنے سے محفوظ رکھ سکے گا تو یہ اقدام جائز ہو گا ۔ لیکن ایک استثنائی بات کو ایک مسلم ملک کے قوانین و ضوابط کی بنیاد تو بہر حال نہیں بنایا جا سکتا ۔ امیدواری کو ممنوع

نہ قرار دینے کے حق میں ماوردی کی «الاحکام السلطانیہ» سے حسب ذیل عبارت بطور دلیل بھی پیش کی گئی ہے۔ طلب المنزلۃ مما ابیح، لیس بمکروہ، و قد رغب نبی اللہ یوسف علیہ السلام الی فرعون فی الولایۃ و الخلافۃ فقال : اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم (کسی جائز کام سے متعلق مرتبے کی طلب مکروہ نہیں ہے، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے ولایت اور خلافت طلب فرمائی اور کہا کہ ملک کے خزانے پر مجھے ماسور کر دو کہ میں خوب حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں)۔

جہاں تک یوسف علیہ السلام کے طلب امارت سے استدلال کا تعلق ہے وہ ایک کم زور استدلال معلوم ہوتا ہے۔ جس کے اسباب حسب ذیل ہیں:

(الف) نبی ہونے کی حیثیت سے حضرت یوسف اھواء نفس کے غلبے سے محفوظ تھے۔ انبیائے کرام کے تمام اعمال کی اللہ تعالی خاص نگرانی کا اہتمام فرماتا ہے اور جب کبھی اس کے اندر نفس امارہ کی کوئی اکساھٹ پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالی اپنی غیر معمولی مداخلت سے ان کو اس سے بچا لیتا ہے۔ خود حضرت یوسف اور امراۃ عزیز کے قصہ میں اس کا واضح اشارہ ہے۔ لہذا جب حضرت یوسف نے امارت طلب کی تو انہوں نے اسے امر الٰہی یا اذن الٰہی کی بنیاد پر ھی کیا ہو گا۔ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب ایک عام مسلمان کسی عہدہ و منصب کا امیدوار ہوتا ہے تو اھواء نفس کی بناء پر نہیں، بلکہ امر الٰہی، اذن الٰہی کی بناء پر ایسا کرتا ہے۔

(ب) امام شوکانی نے لکھا ہے کہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ طلب امارت حضرت یوسف کی شریعت میں مباح ہو۔ لیکن اگر یہ بات ان کی شریعت میں جائز تھی تو وہ اس شرط پر ہمارے لیے جائز رہ سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کے خلاف کوئی ھدایت نہ دی ہو۔ لیکن اگر آپ نے اس کی مذمت فرما دی ہے اور جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ نے مذمت فرمائی ہے تو پھر حضرت یوسف کے عمل کا اطلاق اس مسئلے پر نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلے پر شوکانی کی بحث نیز امیدواری کے مسئلے پر متعلقہ احادیث کے لیے ملاحظہ ہو۔ شوکانی۔ نیل الاوطار (جلد 9، صفحہ 158 تا 161)۔

(ج) اگر ہم اس بات کو تسلیم بھی کر لیں اور جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ اس کے تسلیم کر لینے کے معقول اسباب نہیں ہیں کہ امیدواری (اور کنویسنگ)

میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے ، یا اگر ہے بھی تو کراہت کی حد تک ہے ، تو اس سے بھی یہ بات لازم نہیں آتی کہ ہم جب انتخابی قوانین و ضوابط مرتب کریں تو امیدواری کی اجازت دیں ۔ خالص فقہی پہلوؤں سے قطع نظر وہ مضرت تو بہر کیف موجود ھی ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا کہ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ خائن وہ ہے جو عہدہ طلب کرے ۔ قانوناً امیدواری کا دروازہ بند کرنا ہمیں اس حدیث پر عمل کرنے کے مترادف لگتا ہے ''خدا کی قسم ، ہم یہ عہدہ اس کے سپرد نہیں کرتے جو اس کو طلب کرے یا اس کے لیے لالچ رکھے ۔''

متذکرہ امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم انتخابات کے لیے جو طریق کار تجویز کرتے ہیں اس کے امتیازی اصول حسب ذیل ہیں :

(الف) الیکشن پارٹی سسٹم کی بنیاد پر نہ ہو گا ۔

(ب) غیر جماعتی بنیاد پر ھی خود کو امیدوار بنا کر سامنے لانا ، اپنے لیے مہم چلانا اور مہم پر اپنے وسائل صرف کرنا ، ان میں سے کوئی ایک چیز بھی اگر پائی جائے تو وہ «امیدوار» کو نااھل قرار دیے جانے کے لیے کافی متصور ہو گی ۔

(ج) بجائے اس کے کہ امیدوار قوم سے ووٹ طلب کریں ، لوگ اپنے ضمیر کے تقاضے اور ملک و ملت کی خیر خواھی کے جذبے سے اچھے اور باصلاحیت افراد کو تلاش کریں اور ان کو قوم کے سامنے انتخاب کے لیے پیش کریں ۔

(د) انتخابی مہم کے لیے ضابطۂ اخلاق اور ضابطۂ قوانین دونوں مرتب ہوں اور اس طرح جو بھی خلاف اسلام اور خلاف اخلاق باتیں ہوتی ہیں ان کا سدباب کیا جائے ۔

(ہ) انتخاب میں دولت و ثروت کے بل پر کامیاب ہونے کی راہ مسدود کر دینی چاھیے اور وہ اس طرح کہ انتخابات کے تمام اخراجات کا بار حکومت برداشت کرے ۔ معروف اخراجات کے علاوہ تجویز کردہ

افراد کا تعارف کرانا ، ان سب کی ذمہ داری صرف حکومت کی ہو اور تجویز کردہ افراد کو اس پر کچھ بھی نہ خرچ کرنا پڑے۔

مندرجہ بالا بنیادی باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اب ذیل میں انتخاب کے بنیادی ضوابط تجویز کیے جاتے ہیں۔

انتخاب کے بنیادی ضوابط

(1) ہر انتخابی حلقے کے ووٹروں کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ اپنی اپنی انفرادی حیثیت میں اپنے حلقے کے لیے اہلیت و صلاحیت کے اعتبار سے موزوں ترین فرد کو تلاش کریں اور جس پر ان کی نظر جمے اس کا نام متعلقہ فارم نمبر 1 (نمونہ منسلک ہے) پر کر کے الیکشن کمیشن کو بھیج دیں۔

جن افراد کے لیے کسی انتخابی حلقے سے اس حلقے کے ووٹروں کی مجموعی تعداد میں ایک فی دو ہزار کے بقدر ووٹر نام تجویز کریں گے. وہ اس حلقے کے تجویز کردہ افراد متصور ہوں گے۔ مثلاً اگر کسی حلقے کے ووٹروں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے تو جن جن لوگوں کے لیے کم از کم 60 ووٹروں کی طرف سے باضابطہ نامزدگی آئے گی ، انہیں کے مابین تابع شرائط و قواعد متعلقہ انتخاب ہو گا۔ اگر کسی حلقے سے صرف ایک ھی فرد کے لیے مطلوبہ تعداد میں نامزدگیاں آئی ہیں تو وہ تابع دیگر متعلقہ شرائط و قواعد اس حلقے سے منتخب قرار دے دیا جائے گا۔

اگر کسی حلقے سے کسی فرد کے لیے بھی مطلوبہ تعداد میں نامزدگی نہیں آتی تو یہ تصور کیا جائے گا کہ ابھی اس حلقے میں اپنا نمائندہ بھیجنے کی اھمیت کا شعور پیدا نہیں ہوا۔ ایسے حلقے میں 180 دن کے لیے انتخابات موخر کر کے اس عرصے میں اس امر کی ترغیب کا اھتمام کیا جائے گا کہ وہ انتخابات کی اھمیت و افادیت کو سمجھیں اور اس میں دلچسپی لیں۔

(2) نامزدگی کے کام میں اصولی یکسانیت پیدا کرنے کے لیے ایک فارم ، بنام «انتخابی فارم نمبر 1» مرتب کیا گیا ہے جو منسلک ہے۔ اس کو پر کر کے تجویز کنندہ کسی مجاز تصدیق افسر کے سامنے دستخط کرے گا اور افسر مذکور اس پر اپنے دستخط اور مہر ثبت کر دے گا۔

(3) مذکورہ فارم نمبر 1 ، الیکشن کمیشن کے ہر مقامی دفتر سے قیمتاً دستیاب ہو سکے گا ۔

(4) فارم نمبر 1 کی فراھمی کی آخری تاریخ کے بعد پندرہ دن کی مدت کے اندر فارم پر کر کے الیکشن کمیشن کے مقرر کردہ افسر کو دستی یا بذریعہ رجسٹری پہنچا دینا ضروری ہو گا ۔

(5) الیکشن کمیشن فارم نمبر 1 کی وصولی کی باقاعدہ رسید دے گا ۔ جو خود فارم میں موجود ھے ۔ البتہ رسید دیتے وقت متعلقہ افسر اس بات کا اطمینان کر لے گا کہ تجویز کنندہ اور تجویز کردہ افراد کے نام فہرست رائے دھندگان میں موجود ہیں ۔ نیز یہ کہ تجویز کنندہ نے صرف ایک ھی شخص کا نام تجویز کیا ہے ۔

(6) الیکشن کمیشن فارم نمبر 1 کی وصولی کی آخری تاریخ کے بعد متعلقہ عملہ کے ذریعہ ایک ماہ کے اندر اندر فارم کے مندرجات کی اس حد تک غیر جانب دارانہ چھان بین مکمل کرے گا کہ ان میں کوئی قابل گرفت غلط بیانی یا کوئی قانونی نقص تو نہیں ہے ۔ اسی دوران اگر اعتراضات وصول ہوں تو ان کی سماعت اور فیصلوں کا انتظام بھی الیکشن کمیشن ھی کی ذمہ داری ہو گی ۔ مثلاً اگر الیکشن کمیشن کو ایک حلقہ انتخاب سے مطلوبہ تعداد میں صرف بارہ افراد کی نامزدگیاں وصول ہوتی ہیں اور تحقیقات کے بعد ان میں سے آٹھ فارم قانونی لحاظ سے درست پائے جاتے ہیں تو ایسی صورت میں الیکشن کمیشن ان مجوزہ آٹھ افراد کو بذریعہ رجسٹری مندرجہ ذیل چیزیں روانہ کر کے رسید محفوظ رکھے گا :

(الف) انتخابی فارم نمبر 1 (تجویز نامہ) کی فوٹو کاپی

(ب) انتخابی فارم نمبر 2 (آمادگی نامہ و حلف نامہ) مطابق نمونہ منسلکہ

(ج) الیکشن کمیشن بذریعہ مراسلہ تجویز کردہ کو مطلع کرے گا کہ بصورت رضامندی منسلکہ فارم نمبر 2 پر کر کے مع مندرجہ ذیل چیزوں کے دفتر کمیشن میں مقرر کردہ تاریخ کے اندر پہنچا دیں :

۔ شناختی کارڈ کا فوٹو اسٹیٹ

۔علمی استعداد اور عمر کا ثبوت

۔مختلف مشاغل اور خدمات کی تفصیلات

اور بصورت معذرت ایک معذرتی خط ارسال کیا جائے ۔ اگر دونوں صورتوں میں سے کسی صورت کی کوئی اطلاع الیکشن کمیشن کی مقرر کردہ تاریخ تک نہ ملی تو وہ معذرت کے مترادف قرار دیا جائے گا۔

اگر آٹھ افراد میں سے تین آمادگی کا اظہار نہیں کرتے اور باقی پانچ افراد اپنی رضامندی بمع فوٹو بھیج دیتے ہیں تو ایسی صورت میں الیکشن کمیشن اس حلقہ انتخاب کے لیے ایک تعارفی کتابچہ مرتب کر کے شائع کرے گا ۔ جس میں مذکورہ پانچ افراد کا اس طرح تعارف کرایا جائے گا کہ اس میں :

(الف) ہر تجویز کردہ فرد کے کوائف (فارم نمبر 1 ۔) درج ہوں گے ۔

(ب) کوائف کے ساتھ تجویز کردہ افراد کا بھیجا ہوا فوٹو بھی چھاپا جائے گا۔

(ج) یہ فہرست اسماء بہ اعتبار حروف تہجی مرتب کی جائے گی ۔

الیکشن کمیشن مذکورہ بالا تعارفی کتابچہ ہر خواہش مند کو قیمتاً فراہم کرنے کا اہتمام کرے گا ۔ اس کے ساتھ ھی الیکشن کمیشن تجویز کردہ اشخاص کا تعارف ریڈیو ' ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے کرانے کا انتظام بھی کرے گا اور ایک باقاعدہ پروگرام کے تحت اور اعلان کے ساتھ ان کے انٹرویو بذریعہ ریڈیو اور ٹی وی نشر کرائے جائیں گے تاکہ ووٹر ان کے بارے میں خاطر خواہ واقفیت حاصل کر سکیں ۔ ایک دن میں کئی کئی انٹرویو نشر کیے جا سکتے ہیں ۔ اخبارات سے بھی تعاون حاصل کیا جائے گا کہ وہ تمام انٹرویو شائع کرتے رہیں ۔ ان سارے کاموں کیلئے ایک ماہ کی مدت مختص ہو گی ۔ حتمی طور پر تمام تجویز کردہ افراد کے لئے لازمی ہو گا کہ اس عرصے میں ملاقات کے اوقات اور جگہ کا تعین کر دیں جس کا اعلان کر دیا جائے گا تاکہ جو ووٹر بالمشافیہ ملاقات یا تبادلہ خیال کرنا چاہیں وہ کر سکیں۔

انتخابی طریق کار کی آخری اھم بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا نکات پر کام ہونے کی پوری مدت میں الیکشن کمیشن ابلاغ عامہ کے ذریعے عوام الناس کیلئے ووٹ

کی اھمیت اور نمائندوں کے مطلوبہ اوصاف کی مسلسل تشہیر کرتا رہے ۔(نمائندگی کی مطلوبہ صفات کیلئے ملا خطہ ہو ' باب سوم)

پولنگ کا طریقہ

(1) انتخابات پورے ملک یا پورے صوبے میں بیک وقت نہ ہوں گے ' بلکہ حسب گنجائش ایک معین مدت پر انہیں مختلف جگہوں میں منقسم کر دیا جائے گا ۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ الیکشن کمیشن ھر حلقے کے متعدد معاملات کی خاطر خواہ نگرانی کر سکے ۔ پولنگ کی مختلف تاریخیں ہونے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ الیکشن کمیشن کو تجویز کردہ نئے انتخابی طریقِ کار پر عمل درآمد کرنے کیلئے اھل اور قابل اعتماد عملہ اتنی بڑی تعداد میں بیک وقت فراھم نہیں کرنا ہو گا جتنا پورے ملک یا پورے صوبے میں ایک ھی دن انتخابات کرانے میں درکار ہو گا ۔

(2) انتخابات کے لیے تجویز کردہ افراد کے انتخابی نشانات کے ساتھ بیلٹ پیپر پر مجوزہ افراد کے نام بھی خط نسخ جلی حروف میں درج ہوں گے تا کہ ووٹر ان میں سے کسی ایک نام پر فراھم کردہ خصوصی قلم سے نشان لگا دے ۔ بیلٹ پیپر کے مختلف سیٹ تیار کیے جائیں گے اور ھر سیٹ میں ناموں کی ترتیب مختلف ہو گی ۔ کسی کو ایک سیٹ کی پرچی دی جائے گی کسی کو دوسرے سیٹ کی ۔ کسی کو تیسرے یا چوتھے سیٹ کی

(3) پولنگ اسٹیشن سے باھر الیکشن کمیشن خود ایک کیمپ لگائے گا ۔ جہاں کافی تعداد میں اسٹاف موجود ہو گا ۔ جن کے پاس ھر حرف تہجی کی الگ الگ فہرست رائے دھندگان ہو گی اور مخصوص رنگ کی چھپی ہوئی چھوٹی پرچیوں کے پیڈ ہوں گے ۔

(4) ووٹر سب سے پہلے مذکورہ کیمپ میں جائے گا اور اپنا شناختی کارڈ دکھائے گا ۔ کمیشن کا عملہ فہرست رائے دھندگان میں متعلقہ ووٹر کے نام کے آگے اس کا شناختی کارڈ نمبر لکھ دے گا ' پھر مذکورہ خصوصی پرچی پر فہرست رائے دھندگان کا متعلقہ نمبر شمار درج کر کے پرچی اور شناختی کارڈ ووٹر کے حوالے کر دے گا ۔

(5) خصوصی پرچی اور شناختی کارڈ لے کر ووٹر پولنگ اسٹیشن میں داخل ہو گا اور وہاں دونوں چیزیں پولنگ افسر کو دے دے گا ۔ پولنگ افسر خصوصی پرچی پر ووٹر کے دستخط کرائے گا اور اس کو شناختی کارڈ کے دستخط سے ملائے گا ۔ دستخط درست ہوں گے تو پولنگ افسر فہرست رائے دھندگان میں ووٹر کے نام کو نشان زد کرے گا ۔ شناختی کارڈ پنچ کرے گا اور پھر بیلٹ پیپر اور شناختی کارڈ ووٹر کے حوالے کر دے گا ۔ مگر خصوصی پرچی اپنے پاس محفوظ کر لے گا ۔

(6) اس کے بعد ووٹر اس ملحقہ کمرے میں جائے گا جہاں صرف ایک بیلٹ بکس اور خصوصی قلم رکھا ہوگا اور ذرا فاصلے پر نائب پولنگ افسر موجود ہو گا ۔ ووٹر بیلٹ پیپر کے کسی ایک نام پر نشان لگائے گا اور بیلٹ پیپر بکس میں ڈال دے گا ۔ نائب پولنگ افسر کی محض یہ ذمہ داری ہو گی کہ وہ دور سے یہ دیکھ لے کہ ووٹر نے بیلٹ پیپر بکس میں ڈال دیا ہے اور خصوصی قلم واپس رکھ دیا ہے ۔

(7) پولنگ کا وقت ختم ہونے پر تمام ووٹروں کے اعداد و شمار تیار کر لئے جائیں گے ۔ صحیح پولنگ کی ضمانت یہ ہو گی کہ مندرجہ ذیل چھ چیزوں کی کل تعداد بالکل یکساں اور برابر ہو اور اس میں ذرہ برابر فرق نہ نکلے ۔

۔ پولنگ کیمپ کی جاری شدہ کل پرچیاں

۔ پولنگ آفیسر کے زیر حفاظت کل دستخط شدہ پرچیاں

۔ پولنگ کیمپ کی فہرست رائے دھندگان پر شناختی کارڈ کے کل حوالہ جات

۔ پولنگ آفیسر کی فہرست پر نشان زدگی کی کل تعداد

۔جاری شدہ بیلٹ پیپر کی کل تعداد

۔استعمال شدہ بیلٹ پیپرز کی کل تعداد ۔

ووٹروں کا تحفظ

کمیشن نے ووٹروں کے تحفظ کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک دو رکنی کمیٹی تشکیل دی جو جناب ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ صاحب اور جناب ملک محمد

رمضان بلوچ صاحب پر مشتمل تھی - انتخابات میں ووٹروں کو اکثر جبر و تشدد اور ناجائز دباؤ کا نشانہ بنایا جاتا ہے - کمیٹی نے اس کے انسداد کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا اور سفارش کی کہ اس قسم کے مبینہ واقعات کی فوری تحقیق کا انتظام کیا جائے اور ان واقعات کا ارتکاب کرنے والوں کو عبرت انگیز سزائیں دی جائیں -

انتخابی نتائج

(1) پولنگ کے نتائج کا باقاعدہ اعلان الیکشن کمیشن پولنگ کے اختتام پر ترتیب اعداد و شمار کے فوراً بعد کر دے گا - اس طرح کے فوری اعلان میں قباحت اس لئے نہ ہو گی کہ کسی ایک حلقے کے نتائج کسی دوسرے حلقے کو کسی صورت میں متاثر نہ کر سکیں گے - چوں کہ پورے انتخابات ھی غیر جماعتی بنیاد پر ہوں گے -

(2) انتخابی نتائج کے اعلان کے بعد پندرہ دن کے اندر اندر موصول ہونے والے اعتراضات کی خاطر خواہ سماعت و تحقیق کا اہتمام الیکشن کمیشن کے ذمے ہو گا اور تمام اعتراضات پر حتمی فیصلہ زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کے اندر ہو جائے گا -

کل مدت انتخابات

انتخابات عام کے لئے اس خاکے پر عمل کیا جائے تو کم و بیش چھ ماہ میں انتخابات کی پوری کارروائی تکمیل پا سکتی ہے -

مجوزہ طریق کار اصولی طور پر منظور ہو جائے تو آخری شکل دینے سے پہلے تفصیلات میں بتقاضائے سہولت ترمیم و تعدیل ہو سکتی ہے -

(ب)

رائے دھندگان کی صحیح ذھنی تربیت

اب ھم اسلامی بنیادوں پر انتخابات کی مجوزہ طریق کار کے حصہ دوم یعنی رائے دھندگان کی صحیح تربیت و رہنمائی سے متعلق اپنی گزارشات ذیل میں پیش کرتے ہیں -

انتخابات میں صحت مند روایات اسی وقت قائم ہو سکتی ہیں اور مفید نتائج اسی وقت برآمد ہو سکتے ہیں جب صحیح رخ پر عوام کا شعور بیدار کیا جائے اور ان کو

یہ احساس دلایا جائے کہ کن صفات اور کس معیار کے لوگوں کو نمائندہ بنا کر انتخابی اداروں میں بھیجنا موجودہ اور آئندہ نسلوں کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے ' نیز یہ کہ صحیح افراد کا منتخب کرنا کتنی بڑی اجتماعی اور دینی ذمہ داری ہے جس کے لیے آدمی مخلوق کے سامنے ہی نہیں خالق کے سامنے بھی جواب دہ ہو گا - لوگوں میں صحیح اور غلط نمائندوں کے درمیان امتیاز کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ابلاغ عامہ کے ذریعے سے وسیع پیمانے پر کام لینے کی ضرورت ہے - یہ کام حکومت کو لازماً کرنا چاہیے - نیز بے غرض افراد اور تنظیموں کو بھی اس میں حصہ لینا چاہیے - حکومت کی طرف سے بڑی تعداد میں اس طرح کا لٹریچر شائع ہونا چاہیے جس سے لوگوں کے ذہنوں کی صحیح تربیت ہو سکے - ابلاغ عامہ کے دوسرے ذرائع ریڈیو ' ٹیلی وژن وغیرہ کو بھی اس مقصد کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے - اس کام میں حسب ذیل نکات کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے -

(1) نمائندوں کے لیے مقرر کردہ جملہ خصوصیات نہایت واضح انداز میں بتائی جائیں - اس کے ساتھ رائے دھندگان کو وضاحت سے یہ بتایا جائے کہ بعض خصوصیات تو وہ ہیں جو قانونی تقاضوں کو پورا کرتی ہیں - لیکن نمائندوں کے دیگر لازمی اوصاف ایسے ہیں جن کو قانونی گرفت میں لانا دشوار ہے - ان کو جانچنے اور پرکھنے کی اصل ذمہ داری متعلقہ رائے دھندگان ہی کی ہے جسے نہایت احتیاط اور بے لاگ طریقے سے استعمال کیا جانا چاہیے - ایک صحت مند اجتماعی زندگی کے لیے رائے دھندگان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ضلع یا علاقے میں دیکھیں کہ ایسا فرد کون ہے جو نمایاں طور پر باصلاحیت بھی ہے اور با کردار بھی - خدمت خلق کا جذبہ بھی رکھتا ہے اور خدا ترس بھی ہے - اسلامی اصولوں کا پابند بھی ہے اور محب وطن بھی - صاحب فہم و فراست بھی ہے اور صاحب امانت و دیانت بھی - (خاص طور پر مالی معاملات میں) پابند صوم و صلواۃ بھی ہے اور پابند قول و قرار بھی - سالمیت پاکستان کے لیے جوش و جذبہ بھی رکھتا ہے اور اتحاد بین المسلمین کے نصب العین سے مخلصانہ تعلق بھی - غرضکہ وہ دینی اور دنیوی معاملات میں یکساں طور پر نیک نام اور پختہ کردار ہو - پھر یہ کہ رائے دھندگان کی یہ بھی قومی اور دینی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا اطمینان کر لیں کہ اگر کوئی شخص پہلے کبھی کسی منصب پر فائز رہا ہے تو اس کی شہرت کیسی رہی ہے - کیا اس نے منصب سے کوئی ناجائز ذاتی فائدہ اٹھایا ہے یا اپنے اعزا و اقربا اور دوست و احباب کو ناجائز

طریقے سے نوازا ہے ؟ کیا اس نے ماضی میں اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں ، غفلت سے کام لیا ہے ۔ اور حرص اقتدار کی وجہ سے زور و زبردستی سے اپنے منصب سے چمٹا رہا ہے یا اس نے اپنے سپرد کی ہوئی امانت کا حق ادا کیا ہے ؟ آخری بات جو رائے دھندگان مدنظر رکھیں وہ یہ ہے کہ کیا وہ کسی ایسی سرگرمی میں براہ راست یا بالواسطہ ملوث رہ چکا ہے جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی وحدت و سالمیت یا اس کی نظریاتی بنیادوں کی تخریب کی ہم معنی ہو ۔

(2) رائے دھندگان میں یہ شعور پیدا کیا جائے کہ ووٹ خالق و مخلوق دونوں کی ایک امانت کا درجہ رکھتا ہے جس کے لیے ہر ووٹر عند اللہ اور عند الناس جواب دہ رہے گا ۔ اگر رائے دھندگان نے یہ قومی امانت اھل امانت کے سپرد کی تو وہ دنیا میں بھی اس کے فوائد و برکات دیکھیں گے اور آخرت میں بھی اجر و انعام کے مستحق قرار پائیں گے ۔ بصورت دیگر نااھل ، بے کردار اور خود غرض افراد منتخب ہو گئے تو یہ ملک و ملت اور موجودہ و آئندہ نسلوں کے لیے تباھی کا موجب ہو گا اور اس کی دنیوی اور اخروی ذمہ داری بھی انتخاب کرنے والوں ھی پر ہو گی ۔

(3) الیکشن کمیشن مذکورہ بالا اوصاف کی نہ صرف یہ کہ خود بڑے پیمانے پر اشاعت کا انتظام کرے ، بلکہ اھل خیر افراد اور تنظیموں کو اس کی اشاعت کی ترغیب دے ۔ لیکن یہ پابندی ہو کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور نہ اشارتاً یا کنایتاً بھی کسی فرد یا گروہ کے افراد کے حق میں ووٹ ڈالنے کی تجویز یا ترغیب ہو ۔ اشاعت میں ان شرائط کی خلاف ورزی کو قابل مواخذہ جرم قرار دے دیا جائے ۔

(4) چونکہ مجوزہ طریق انتخاب کا ایک اھم مقصد یہ ہے کہ ووٹروں کی ذھنی تربیت ہو اور ان میں پختہ شعور پیدا ہو اور چونکہ مجوزہ طریقے کے تمام مثبت نتائج پہلے ھی انتخاب میں سامنے نہیں آ سکتے ، لہذا یہ نہایت مفید و مؤثر صورت ہو گی کہ کم از کم ابتدائی تین انتخابات نسبتاً کم وقفے کی مدت سے کرائے جائیں ۔ مثلاً پانچ سال کے بجائے تین تین سال میں ۔ اس طریق کار سے ایک طرف تو ووٹروں کی صحیح رخ پر تربیت ہو سکے گی اور دوسری طرف انہیں اپنے تجربات سے اپنی کوتاھیوں کا احساس اور اندازہ ہونے لگے گا اور وہ تدریجاً کھرے اور کھوٹے کے درمیان تمیز بھی کرنے لگیں گے ۔ اس طرح انشاء اللہ رفتہ رفتہ ہماری سیاسی اور اجتماعی زندگی میں مخلص اور باصلاحیت عناصر کے لیے ایجابی کردار ادا کرنے کا موقع پیدا ہوتا چلا جائے گا اور معاشرے میں اسلامی خصوصیات نمایں ہوتی چلی جائیں گی ۔

انتخابی فارم نمبر 1۔(تجویز نامہ)

حصہ اوّل (کوائف نامہ)

میں............. جس کے متعلقہ کوائف مع دستخط درج ذیل ہیں

پورا نام............ ولدیت.....................

مکمل رہائشی پتہ......... فون نمبر ....ہے/فون نہیں ہے

شناختی کارڈ نمبر .... مجریہ ....

فہرست رائے دھندگان میں نمبر شمار..........مندرجہ فہرست برائے

انتخابی حلقہ (تحصیل / تعلقہ)......................

انتخابی ضلع / پولیٹکل ایجنسی.......................

مذہباً مسلمان ہوں اور

.............کا نام جن کے متعلقہ کوائف درج ذیل ہیں

حلقہ............سے قومی اسمبلی پاکستان / صوبائی اسمبلی ، صوبہ کی رکنیت کے لیے

تجویز کرتا ہوں۔

پورا نام مع ولدیت.........................

مکمل رہائشی پتہ مندرجہ فہرست رائے دھندگان.............

فہرست رائے دھندگان میں نمبر شمار..........فہرست برائے

انتخابی حلقہ (تحصیل / تعلقہ)......................

انتخابی ضلع / پولیٹکل ایجنسی.......................

مذہب...........

حصہ دوم (حلف نامہ)

میں اللہ رب العزت کو حاضر و ناظر جان کر حسب ذیل بیان حلفی دیتا ہوں :

(1) میں نے کسی کی طرف سے کسی ترغیب یا دباؤ کے تحت نہیں ، بلکہ محض اپنے ضمیر کے تقاضے پر بحیثیت ایک مسلمان رائے دھندہ یہ نام تجویز کیا ہے ۔

(2) میں مذکورہ بالا..........سے جن کا نام میں نے قومی اسمبلی / صوبائی اسمبلی کی رکنیت کے لیے تجویز کیا ہے تقریباً......کی مدت سے شخصی طور پر واقف ہوں ۔

(3) پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ تحقیق و تفتیش اور غور و فکر کے نتیجے میں مجھے یقین واثق ہے کہ :

(الف) .... اپنی صفات حمیدہ اور اہلیت و صلاحیت کے لحاظ سے حلقہ..........سے رکنیت کے لیے نہایت موزوں ہیں ۔

(ب) موصوف اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں ایک نیک سیرت ، با اصول متدین ، پابند فرائض ، فسق و فجور سے مجتنب ، صائب الرائے اور بے لوث مسلمان کی حیثیت سے معروف ہیں ۔

(ج) موصوف کے قول و فعل میں کسی قسم کے فرقہ واری ، علاقائی ، لسانی یا دیگر تفرقہ پرور تعصبات کا یا وحدت و سالمیت پاکستان اور نظام اسلام کے نفاذ کے منافی کوئی ادنیٰ رجحان بھی نہیں پایا جاتا ۔ پاکستان کے استحکام ، اہل پاکستان کی خوش حالی ، مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور ملت اسلامی کی سربلندی سے ان کا شغف بہت نمایاں ہے ۔

(د) موصوف کی مندرجہ ذیل خدمات و مشاغل قابل ذکر ہیں :

....

....

(٥) ....اس سے پہلے کسی انتخابی ادارے کے رکن نہیں
رہے - یا........پہلے...........کے رکن رہے ہیں
اور نیک نامی کی شہرت رکھتے ہیں کہ آپ نے منصب رکنیت کو اپنے
لیئے یا اپنے اعزا و متعلقین کے لیے حصول مفادات و مراعات کا ذریعہ
نہیں بنایا -

(4) میں اللہ تعالی کی وحدانیت پر ' اس کے رسولوں پر ' اس کی کتابوں پر ' اس کے
فرشتوں پر ' یوم آخرت پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر '
کہ جن کی ذات اقدس پر اللہ نے وحی آسمانی اور ھدایت ربانی کی نعمت عظمی
کا اتمام کر کے قیامت تک کے لیے اسی کو قائم و دائم رہنے کا اہتمام فرما دیا '
کامل ایمان رکھتا ہوں اور آپ کے بعد نبوت و رسالت جیسے مناصب کے تمام
دعویداروں (خواہ ظلی نبوت ' بروزی نبوت ' اور کوئی عنوان ہو) نیز ان کے
متبعین مثلاً بہائیوں ' احمدیوں ' قادیانیوں ' لاھوریوں کو دائرہ اسلام سے
خارج سمجھتا ہوں -

دستخط تجویز کنندہ..........

حصہ سوم (صداقت نامہ)

تجویز کنندہ نے میرے رو برو اس فارم پر دستخط ثبت کیے -

تصدیق کنندہ کے دستخط مع مہر و تاریخ.................

نوٹ : غیر مسلموں کیلئے اس فارم نمبر ۱ میں مناسب رد و بدل کرنا ہو گا -

انتخابی فارم نمبر 2۔(آمادگی نامہ)

مجھے الیکشن کمیشن سے بذریعہ مراسلہ نمبر.........مورخہ.......

اطلاع دی گئی ہے کہ حلقہ نمبر............انتخابی ضلع..........
قومی/صوبائی اسمبلی کے رائے دھندگان نے میرا نام تجویز کیا ہے۔

اگرچہ میں نے اس منصب کے لیے نہ کوئی کوشش کی اور نہ میرے ایماء پر تجویز کنندگان نے میرا نام بھیجا ہے ' تاہم اهل حلقہ کی کثیر تعداد کے حسن ظن ' مخلصانہ خواهش اور اصرار کا احترام کرتے ہوئے میں اپنا آمادگی نامہ مع اسناد مطلوبہ ارسال کر رہا ہوں۔

حصہ اوّل (کوائف نامہ)

پورا نام............. ولدیت..........................

مکمل رہائشی پتہ .... فون نمبر ....ہے /فون نہیں ہے۔

شناختی کارڈ نمبر.......... مجریہ ....

فہرست رائے دھندگان میں نمبر شمار.............مندرجہ فہرست برائے

انتخابی حلقہ / تحصیل / تعلقہ ....

انتخابی ضلع / پولیٹکل ایجنسی ....

مذھب..........

حصہ دوم (حلف نامہ)

میں از روئے حلف اقرار کرتا ہوں کہ :

(۱) میں اللہ تعالی کی وحدانیت پر ' اس کے رسولوں پر ' اس کی کتابوں پر ' اس کے فرشتوں پر ' یوم آخرت پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر ' کہ جن کی ذات اقدس پر اللہ نے وحی آسمانی اور هدایت ربانی کی نعمت عظمیٰ

کا اتمام کر کے قیامت تک کے لیے اس کو قائم و دائم رہنے کا اہتمام فرما دیا ' کامل ایمان رکھتا ہوں اور آپ کے بعد نبوت و رسالت جیسے مناصب کے تمام دعویداروں کو (خواہ ظلی نبوت ' بروزی نبوت اور کوئی عنوان ہو) نیز ان کے متبعین مثلاً بہائیوں ' احمدیوں ' قادیانیوں ' لاہوریوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں ۔

(2) میں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی احکام کی پیروی کی مخلصانہ کوشش کروں گا ۔

(3) میں اپنی رکنیت کو اپنی ذات یا اپنے اعزا و احباب اور متعلقین کے لیے مفادات و مراعات کے حصول کا ذریعہ نہیں بناؤں گا ۔

(4) میں ہر قسم کے گروہی ' فرقہ واری ' لسانی ' علاقائی اور دوسرے تفرقہ پرور تعصبات سے دور رہتے ہوئے تمام مسائل میں وہی موقف اختیار کروں گا جو میرے ضمیر کے مطابق پاکستان کی وحدت و سالمیت ' عوام کی فلاح و بہبود اور پاکستان کے بنیادی نظریے کے تقاضوں سے اہم آہنگ ہو۔ اللہ تعالے مجھے اس عہد پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

دستخط تجویز کردہ............

حصہ سوم (صداقت نامہ)

تجویز کردہ نے میرے رو برو اس فارم پر دستخط ثبت کیے ۔

تصدیق کنندہ کے دستخط مع مہر و تاریخ...........

نوٹ : غیر مسلموں کیلئے اس فارم نمبر ۲ میں مناسب رد و بدل کرنا ہو گا ۔

ضمیمہ (4)

ڈویژنوں کو صوبائی درجہ دینے یا اس کے مماثل تجاویز کی بطور نمونہ ایک مختصر فہرست

(1) میاں محمود علی قصوری («جنگ» کراچی ،
29 - اپریل سنہ 1979ء) دس سے پندرہ صوبے بنانے کا مطالبہ۔

(2) جناب عبدالحمید جتوئی («نوائے وقت» لاہور ،
17 - جون سنہ 1979ء)

(3) ڈاکٹر کمال فاروقی کتابچہ بعنوان
«PAKISTAN'S CONSTITUTIONAL OPTIONS»

(4) ڈاکٹر حبیب الرحمٰن الٰہی علوی کتابچہ بعنوان
«مقامی حکومت خود اختیاری کی بہترین صورت»

(5) پیٹریوٹک فرنٹ («ڈیلی نیوز» کراچی
15 - جنوری سنہ 1979ء) 14 صوبوں کا مطالبہ۔

(6) مرزا جواد بیگ («جسارت» کراچی
19 - اکتوبر سنہ 1978ء)

(7) جناب رشید احمد قدوائی («جنگ» کراچی اور راولپنڈی
11 - فروری سنہ 1979ء) 13 صوبوں کا مطالبہ۔

(8) پروفیسر ثمین خان («جنگ» کراچی
28 - جون سنہ 1979ء) 13 صوبوں کا مطالبہ۔

(9) بیگم کشور افتخار اور ابو سعید انور («نوائے وقت» لاہور
22 - جون 1979ء)

(10) راؤ محمد افضل («نوائے وقت» لاہور
28 - ستمبر 1975ء) ہر ضلع کو صوبائی درجہ دینے کا مطالبہ۔

(11) میجر جنرل نواب زادہ شیر علی خان («اخبار جہاں» کراچی
12 تا 18 ۔ مارچ سنہ 1979ء)

(12) بابو قسیم الدین ' انجمن استحکام پاکستان («اخبار جہاں» کراچی
5 تا 11 ۔ مارچ سنہ 1979ء) 16 صوبوں کا مطالبہ۔

(13) قاضی نذیر احمد («ڈیلی نیوز» کراچی
3 ۔ مارچ سنہ 1979ء) 14 صوبوں کا مطالبہ۔

(14) رشید قدوائی («جسارت» کراچی
14 ۔ فروری سنہ 1979ء)

(15) سائین شامی («نوائے وقت» لاہور
2 ۔ فروری سنہ 1979ء) 25 صوبوں کا مطالبہ۔

(16) فضل احمد کریم فضلی («جنگ» کراچی
19 ۔ فروری سنہ 1979ء)

(17) مظہر محمود (ہفت روزہ «زندگی»
24 تا 31 ۔ اکتوبر سنہ 1978ء)

(18) میاں ساجد پرویز ' سابق ایم ۔ این ۔ اے («جسارت» کراچی
3 فروری سنہ 1982ء)

(19) بیگم کے ' افتخار («جنگ» کراچی
24 ۔ فروری سنہ 1979ء) 15 صوبوں کا مطالبہ۔

(20) میر رسول بخش تالپور مرحوم ' سابق سینیر وزیر ' سندھ

(21) ورلڈ اسلامک ٹائمز ' اسلام آباد ۔ شمارہ مارچ سنہ 1982ء)

(22) نبی بخش زهری («حریت» کراچی
18 ۔ اپریل سنہ 1982ء)

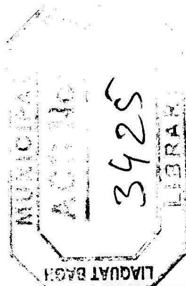
(23) روزنامہ «مشرق» لاہور (14 ۔ مئی سنہ 1982ء)

(24) بریگیڈیر شمس الحق قاضی («نوائے وقت» لاہور 30 ۔ مئی سنہ 1982ء)

(25) میر عبدالباقی بلوچ («جنگ» کراچی 31 ۔ مئی ' یکم جون اور 9 ۔ جون سنہ 1982ء)

(26) بریگیڈیر ریٹائرڈ شمش الدین («جنگ» راولپنڈی جون سنہ 1983ء)

(27) صوبوں کی سیاسی تنظیم نو
از الطاف حسن قریشی
اردو ڈائجسٹ اگست 1983ء



ضمیمہ (5)

APPENDIX 5

COUNTRY-WISE AREA, POPULATION & PROVINCES/STATES

Sources: (1) Statement Year Book 1981-82.
(2) Europa Year Book, 1981.

Serial No.	Name of the Country	Area Sq. miles	Population	Form of Government	Number of Provinces/ States etc.	Whether the Governor is Elected or Nominated	Is there any Council? If so, whether nominated or elected	Composition of the Provincial Council	Powers of the Provinces/States
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10
1.	Pakistan	310,403	76,770,000	Islamic Republic	4				
2.	Afghanistan	245,664	15,551,358		26 Dist.				
3.	Albania	11,101	2,670,000	Socialist Republic	26 Dist.		Elected		
4.	Algeria	919,595	19,129,000		31 Dept.				
5.	Angola	581,351	563,046		18				
6.	Argentina	1,084.120	27,064,000	Federal Republic	22	Elected	Elected		Full internal autonomy.
7.	Austria	32,375	7,507,100	Federal Republic	9		Elected		
8.	Belgium	11,783	9,855,110		9		Elected	Proportional	Large measure of Autonomy.

9.	Bolivia	424,164	5,570,105		9	Nominated			
10.	Brazil	3,286,488	123,032,100	Federal Republic	27	Elected	Elected		Full autonomy states have their own constitutions, and separate judiciary.
11.	Bulgaria	42,823	8,813,704		30		Elected		To administer local problem.
12.	Chile	292,132	11,104,293		13	Appointed			
13.	Denmark	16,631	5,122,065	Constitutional Monarchy	17	Elected	Elected	Proportional	
14.	Dominican Republic	18,700	5,066,000		26				
15.	Ecuador	385,201	7,054,000		20	Appointed	Elected		
16.	Egypt	385,201	40,983,000		25				
17.	El-Salvador	8,236	4,036,000	Federation	14	Appointed			
18.	Finland	130,129	4,778,800		12	Appointed	Elected		
19.	France	211,208	53,583,000		22	Appointed	Elected		
20.	Germany	96,005	61,439,300	Federation	11				
21.	Ghana	92,100	11,317,800		9				
22.	Guatemala	42,042	7,262,400		22	Appointed			
23.	Hungary	35,921	10,711,000		20		Indirectly elected		
24.	India	1,269,420	666,753,000	Union of States	22 States 9 Union	Appointed	Elected		
25.	Iran	636,296	34,000,000	Islamic Republic	21+2=23	Appointed	Elected		
26.	Ireland	26,599	3,368,217		32	Appointed	Elected		There are 49 regional Councils.
27.	Israel	34,493	3,904,000	Unitary	6	Appointed	Elected		
28.	Italy.	116,318	56,828,511	Federation	20	Elected	Elected		Regional Parliament has wide powers.

Serial No.	Name of the Country	Area Sq. miles	Population	Form of Government	Number of Provinces/ States etc.	Whether the Governors is Elected or Nominated	Is there any Council? If so, whether nominated or elected	Composition of the Provincial Council	Powers of the Provinces/States
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10
29.	Ivory Coast	124,503	7,920,000		26				
30.	Japan	143,750	116,133.000		67	Elected	Elected		Each Unit, town, city has an elected assembly.
31.	Libya	679,358	3,245,000		46	Elected	Elected		
32.	Mexico	761,605	67,405,700	Federal Republic	32	Elected	Elected		Each state has its own constitution, elected government, legislation.
33.	Malaysia	127,581	13,250,000		13				
34.	Morocco	659,970 KM	19,470,000		35				
35.	Mozambique	303,070	11,750,000		10				
36.	Nepal	54,600	13,420,000		14				Panchayats 112 members 23: Professional Organizations. 15% royal nominees, rest are elected directly.
37.	Mauritania	397,950	1,407,000	Islamic Republic	13				
38.	Newzealand	103,883	3,100,100		13				
39.	Netherlands	15,892	14,091,014		15				
40.	Nicaragua	57,143	2,045,000			Appointed			

41	Nigeria	356,669	74,595,000	19	Directly Elected	
42.	Norway	125,056	4,078,900	19		
43.	Panama	29,761	1,089,000	9		
44.	Paraguay	61,705	2,089,000	16		
45.	Peru	496,093	13,567,939	24		
46.	Philippines	115,830	47,914,017	16		
47.	Poland	120,727	35,413,500	49	Elected	Unitary form of Govt.
48.	Portugal	35,549	9,819,600	24		
49.	Romania	91,699	21,559,416	40	Elected	
50.	Rawanda	—	4,082,000	10		
51.	Saudi Arabia	927,000	8,112,000	6 Major + 12 Minor = 18		
52.	Somalia	246,000	3,070,000			
53.	Spain	194,897	37,538,262	50	Elected	Each province has its own Assembly. Provinces are constituted by the Association of municipalities.
54.	Sweden	173,732	8,303,000	24		
55.	Australia	2,966,150	14,567,100	8		
56.	Canada	3,851,809	23,671,500	12		
57.	China	3,691,500	970,920,000	28		
58.	USSR	8,649,540	264,486,000	15 + 20 + 8 = 43		
59.	USA	3,618,467	226,504,825	51		
60.	U.K.	94,249	55,883,100	92		
61.	Sudan	967,500	16,126,000	10		
62.	Turkey	300,947	45,442,000	67		
63.	Switzerland	15,943	6,314,200	26		
64.	Ethiopia	472,435	30,421,000	14		
65.	Iraq	167,925	12,029,700	18		
66.	Senegal	75,955	5,518,000	8		
67.	Sri Lanka	25,332	12,689,897	9		

Serial No.	Name of the Country	Area Sq. miles	Population	Form of Government	Number of Provinces/ States etc.	Whether the Governors is Elected or Nominated	Is there any Council? If so, whether nominated or elected	Composition of the Provincial Council	Powers of the Provinces/States
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10
68.	Tanzania	364,900	17,982,000		22				
69.	Venezuela	352,144	13,913,218		23				
70.	Vietnam	127,246	52,741,766		39				
71.	Indonesia	735,000	119,842,769		27				